مشرق

کہانی میگزین

16 تا 22 نومبر 2025ء

سیدہ عارفہ زہرا

وہ ستارہ جو درد کی گہرائیوں سے جگمگایا مگر ابھرتے ہی بجھ گیا

آئینی سفر کا نیا باب: ادارہ جاتی ہم آہنگی و استحکام کی امیدیں

آئینی عدالت کے پاس وہی مقدمات بھیجے جائیں گے جس میں آئینی نقطے اٹھائے گئے ہوں

پاکستان افغانستان مذاکرات کی ناکامی تجارتی سرگرمیاں معطل

لیویز کا پولیس میں انضمام کیوں؟

بلوچستان میں پولیسنگ کے 140 سال پرانے نظام میں کمزوری کیا ہے؟

پاکستان کی سیکیورٹی صورتحال طالبان کی مدد کے بغیر بہتری ممکن ہے یا نہیں؟

بھارت اسرائیل مشترکہ سازش: پاکستان اور ایران کیخلاف گٹھ جوڑ کی حقیقت

امن کی راہ اور چیلنجز: پاکستان اپنے کردار پر قائم رہے گا، ایک ذمہ دار، امن پسند اور خودمختار قوم کے طور پر

بھارت اسرائیل کا گٹھ جوڑ پاکستان اور ایران کے لیے چیلنج ہے مگر پاکستان کی دانشمندانہ ثالثی امید کی کرن ہے۔ اگر فریقین سنجیدگی دکھائیں تو 30 دنہ منصوبہ خطے میں امن لاسکتا ہے۔ بصورت دیگر تباہی ناقابل تصور ہوگی۔

معظم خان

مشرقِ وسطیٰ کا خطہ صدیوں سے تنازعات، جنگیں اور سفارتی چالیوں کا مرکز رہا ہے، لیکن حالیہ برسوں میں اس خطے کی سیاست میں ایک نیا، زیادہ پیچیدہ اور خطرناک مرحلہ داخل ہوا ہے جہاں بڑی طاقتوں کے درمیان براہ راست تصادم کے ساتھ ساتھ علاقائی کھلاڑیوں کی خفیہ سازشوں نے عالمی امن کو شدید خطرات میں ڈال دیا ہے۔ ایران اور امریکہ کے درمیان جاری تنازع، جو اب دو ماہ سے زائد عرصے سے جاری جنگ کی شکل اختیار کر چکا ہے، نہ صرف ان دونوں ممالک کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک سنگین بحران بن چکا ہے۔ اس بحران میں تیل کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں، عالمی معیشت لڑکھ رہی ہے، انسانی جانوں کا ضیاع ہو رہا ہے اور علاقائی توازن مکمل طور پر بگڑ چکا ہے۔ تاہم اس پورے ڈرامے کے پس پردہ ایک اہم کردار ہے جو بظاہر میدان میں نہیں اترا مگر اپنے ہاتھوں سے تار کھینچ رہا ہے: بھارت اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ۔ یہ دونوں ممالک، متحدہ عرب امارات (یو اے ای) جیسے اتحادیوں کے تعاون سے، پاکستان اور ایران کے خلاف ایک منظم، طویل مدتی اور کثیر الجہتی سازش میں مصروف ہیں جو نہ صرف ان دونوں اسلامی ممالک کی خودمختاری کو چیلنج کر رہی ہے بلکہ خطے میں اپنا غلبہ قائم کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔

پاکستان کی ثالثی میں اسلام آباد میں جاری امریکہ-ایران مذاکرات اس بحران کا ایک اہم موڑ ہیں۔ دونوں فریقین شدید عدم اعتماد کا شکار ہیں، ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں، معاشی دباؤ کو ہتھیار بنا رہے ہیں اور تجاویز وشرائط کا تبادلہ سانپ سیڑھی کے کھیل کی طرح جاری ہے۔ ایران نے 14 نکاتی تجاویز پیش کیں جن میں 30 دن کے اندر تنازع کا حل، حملوں کی ضمانت، آبنائے ہرمز سے مالی فائدہ اور جوہری پروگرام کی سلامتی شامل ہے۔ امریکہ نے 9 نکات پر مشتمل جواب دیا جس میں ایران کے جوہری پروگرام کا مکمل خاتمہ اور آبی گزرگاہوں میں غیر محدود رسائی کا مطالبہ ہے۔ یہ مذاکرات بظاہر صرف امریکہ اور ایران کے درمیان ہیں مگر ان کے پس پردہ بھارت اور اسرائیل کی خفیہ سرگرمیاں اس عمل کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہیں۔ پاکستان، جو اس ثالثی کا مرکزی کردار ادا کر رہا ہے، نہ صرف امن کی راہ ہموار کر رہا ہے بلکہ خطے کی مستحکم اور خودمختار خارجہ پالیسی کا شاندار مثال بھی پیش کر رہا ہے۔ اسلام آباد کی یہ کوششیں عالمی سطح پر تعریف کے لائق ہیں کیونکہ ایک ایسے وقت میں جب بڑی طاقتیں اپنے مفادات کے لیے خطے کو آگ میں جھونک رہی ہیں، پاکستان نے سفارتکاری، دانشمندی اور انسانی اقدار کی بنیاد پر ایک متوازن راستہ اختیار کیا ہے۔

بھارت اور اسرائیل کے تعلقات گزشتہ کئی دہائیوں سے نہایت گہرے اور اسٹریٹجک نوعیت کے رہے ہیں۔ دونوں ممالک نے دفاعی، انٹیلی جنس، ٹیکنالوجی اور معاشی شعبوں میں قریبی تعاون کیا ہے۔ اسرائیل بھارت کو جدید ہتھیار، نگرانی کے نظام اور انٹیلی جنس شیئرنگ فراہم کرتا ہے جبکہ بھارت اسرائیل کو ایک بڑا دفاعی مارکیٹ اور علاقائی اتحادی فراہم کرتا ہے۔ یہ تعلقات اب پاکستان اور ایران کے خلاف ایک منظم محاذ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بھارت کا مقصد خطے میں ایران کی بڑھتی ہوئی سفارتی اور معاشی قوت کو روکنا ہے جبکہ اسرائیل ایران کے جوہری پروگرام اور علاقائی اثر ورسوخ کو اپنے وجود کے لیے وجودی خطرہ سمجھتا ہے۔ دونوں مل کر پاکستان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ پاکستان نہ صرف ایران کا قدرتی اتحادی ہے بلکہ چین کے ساتھ سی پیک جیسے منصوبوں کے ذریعے خطے میں ایک نئی معاشی بلاک کی بنیاد رکھ رہا ہے جو بھارت کی "انسداد چین" پالیسی کے خلاف ہے۔

متحدہ عرب امارات میں اسرائیل کی جانب سے فراہم کردہ "اسپیکٹرو" نگرانی نظام اس سازش کا ایک واضح مظہر ہے۔ یہ نظام 20 کلومیٹر کے فاصلے سے ایرانی ساختہ شاہد ڈرونز کی نشاندہی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی نہ صرف یو اے ای کو ایران کے خلاف دفاعی برتری دیتی ہے بلکہ بھارت کو بھی خطے میں انٹیلی جنس شیئرنگ کا موقع فراہم کرتی ہے۔ بھارت کی کوشش ہے کہ یو اے ای اور ایران کے تعلقات کو اس نہج پر لے جایا جائے کہ اسرائیل کو ایران سے کوئی براہ راست خطرہ نہ رہے جبکہ پاکستان کو معاشی اور سفارتی طور پر الگ تھلگ کیا جائے۔ بھارت نے خلیجی ممالک میں اپنی سفارتی سرگرمیاں تیز کر رکھی ہیں، ابراہیم معاہدوں کے ذریعے اسرائیل-عرب تعلقات کو فروغ دیا جا رہا ہے اور پاکستان کو "دہشت گردی" کے لیبل کے تحت تنہا کرنے کی مہم جاری ہے۔ یہ سب کچھ ایک بڑی اسٹریٹجک تصویر کا حصہ ہے جس میں بھارت خطے میں اسرائیل کا پراکسی بن کر کام کر رہا ہے۔

بھارت کی اندرونی سیاست بھی اس سازش کو ہوا دے رہی ہے۔ مودی کی حکومت نے "اسلاموفوبیا" اور "ہندوتوا" کی بنیاد پر پاکستان مخالف بیانیہ کو گھر اور باہر دونوں جگہ استعمال کیا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ مل کر بھارت نے سائبر حملوں، خفیہ آپریشنز اور پروپیگنڈا مہم چلائی ہے جو پاکستان کی معیشت، فوج اور سفارتی تصویر کو نقصان پہنچانے کے لیے ہیں۔ ایران کے خلاف بھی بھارت نے اسرائیل کی مدد سے انٹیلی جنس آپریشنز میں حصہ لیا ہے، بالخصوص جوہری سائنسدانوں کے قتل اور انفراسٹرکچر پر حملوں میں۔ یہ گٹھ جوڑ نہ صرف فوجی ہے بلکہ معاشی بھی ہے۔ بھارت اسرائیل کے ساتھ مل کر خطے میں متبادل تجارتی راستے (جیسے IMEC) تیار کر رہا ہے جو سی پیک اور ایران-پاکستان انرجی کوریڈور کو بائی پاس کرے۔ اس سے پاکستان اور ایران کی معاشی ترقی رک جائے گی اور بھارت علاقائی غلبہ حاصل کر لے گا۔

یہ سازش اتنی گہری ہے کہ یہ امریکہ-ایران مذاکرات کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ بھارت اور اسرائیل کی لابی واشنگٹن میں فعال ہے جو ایران پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ مذاکرات ناکام ہو جائیں اور پاکستان کی ثالثی کا کریڈٹ بھی کم ہو۔ اسرائیل براہ راست یا بالواسطہ طور پر امریکہ کی پالیسی کو متاثر کر رہا ہے جبکہ بھارت خلیجی سرمایہ کاری کو پاکستان سے ہٹا کر اپنی طرف موڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

پاکستان کا کردار: امن کی سفارتکاری اور قومی وقار کی مثال

اس پورے بحران میں پاکستان کا کردار انتہائی قابل تعریف اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ جب امریکہ اور ایران براہ راست جنگ میں الجھے ہوئے تھے، پاکستان نے مسلسل سفارتی کوششیں کیں۔ طویل عرصے بعد دونوں فریقین کو اسلام آباد میں براہ راست میز پر بٹھایا گیا۔ 11 اپریل کے مذاکرات میں کئی امور پر پیش رفت ہوئی۔ پاکستان نے غیر جانبداری، دانشمندی اور خطے کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ثالثی کا کردار ادا کیا جو عالمی سطح پر ایک مثال بن چکا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی اس وقت متوازن، خودمختار اور اصول پر مبنی ہے۔ ایران کے ساتھ اقتصادی اور تجارتی روابط بڑھ رہے ہیں۔ میر جاوہ، تفتان اور گبد-ریمدان جیسی گزرگاہیں تجارت کے فروغ کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ پاکستان خطے میں تجارتی راستوں کے تنوع کے لیے ایران کے ساتھ تعاون بڑھانا چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا ہے کیونکہ پاکستان نے بڑی طاقتوں کے دباؤ کے باوجود اپنا آزادانہ راستہ اختیار کیا۔ امریکی صدر کی سیاسی ضرورت اور عوامی دباؤ بھی پاکستان کی کوششوں سے ہم آہنگ ہوا۔ ایران کا 30 دنہ امن منصوبہ — جس میں آبنائے ہرمز کھولنا، ناکہ بندی ختم کرنا، یورینیم کی سطح کم کرنا اور ضمانتیں شامل ہیں — پاکستان کی ثالثی سے ممکن ہوا۔

پاکستان کی معیشت اس جنگ سے متاثر ضرور ہوئی ہے — مہنگائی 10.9 فیصد، پالیسی ریٹ 11.5 فیصد، تیل کی قیمتیں بڑھنا، ترسیلات زر پر دباؤ بڑھ گیا مگر اس نے بحران کو موقع میں تبدیل کیا ہے۔ پاکستان اب خطے میں امن کا معمار بن کر ابھر رہا ہے۔ عالمی برادری اس کردار کو سراہ رہی ہے کیونکہ اقوام متحدہ جیسے ادارے ناکام رہے۔ پاکستان نے ثابت کیا کہ مسلم دنیا کا اتحاد، سفارتکاری اور قومی مفادات کی حفاظت ممکن ہے۔

معاشی، جغرافیائی اور انسانی اثرات

جنگ کے دو ماہ نے عالمی معیشت کو 60 ارب ڈالر سے زائد کا نقصان پہنچایا۔ تیل کی فراہمی متاثر، فضائی اور سمندری ٹرانسپورٹ میں خلل، مہنگائی عالمی سطح پر۔ پاکستان میں درآمدی بل بڑھا، برآمدات متاثر، زرمبادلہ کے ذخائر پر دباؤ۔ خلیجی روزگار متاثر۔ طویل مدتی اثرات انفراسٹرکچر کی تباہی، توانائی بحران اور جغرافیائی تبدیلیاں ہو سکتے ہیں۔

آبنائے ہرمز دنیا کا فلیش پوائنٹ ہے۔ ناکہ بندی، ٹرانزٹ فیس اور بیانات نے صورتحال کو پیچیدہ کیا۔ تاریخی بداعتمادی — استعماریت بمقابلہ خودمختاری — حکمت عملی کے تنازعات اور داخلی سیاست نے معاملات کو مشکل بنایا۔

ایران کی قیادت (مجتبیٰ خامنہ ای سمیت) اپنے جوہری اور میزائل پروگرام پر ڈٹ گئی ہے۔ امریکہ یک طرفہ مطالبات کر رہا ہے۔ پاکستان کی ثالثی میں لچک پیدا ہوئی ہے۔ یہ تنازع پوری دنیا کے لیے امتحان ہے۔ بھارت اسرائیل کا گٹھ جوڑ پاکستان اور ایران کے لیے چیلنج ہے مگر پاکستان کی دانشمندانہ ثالثی امید کی کرن ہے۔ اگر فریقین سنجیدگی دکھائیں تو 30 دنہ منصوبہ خطے میں امن لاسکتا ہے۔ بصورت دیگر تباہی ناقابل تصور ہوگی۔ پاکستان اپنے کردار پر قائم رہے گا — ایک ذمہ دار، امن پسند اور خودمختار قوم کے طور پر۔

رپورٹ خرم شہزاد

بلوچستان ڈائری

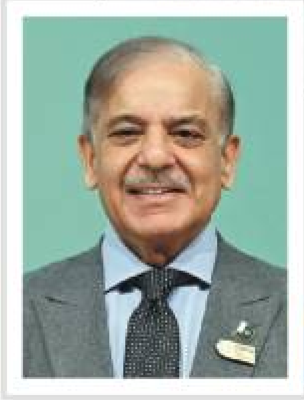

دفاعِ وطن کے غیر متزلزل عزم، اتحاد اور دفاعِ وطن کا قابل فخر باب

پاکستان امن کا خواہاں ہے مگر دفاع وطن کے حوالے سے کسی بھی مصلحت کا نہ پہلے شکار ہوا نہ آئندہ کسی مصلحت کا شکار ہوگا

معرکہ حق میں دشمن نے پاکستان کی پیشہ ورانہ مہارت اور فیصلہ کن صلاحیت کا عملی مشاہدہ کیا

ملک بھر میں معرکہ حق اور آپریشن بنیان المرصوص کی تکمیل کو ایک سال مکمل ہونے پر تقریبات، سیمینارز اور خصوصی نشستوں کا انعقاد کیا گیا قومی قیادت، عسکری حکام، دانشوروں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس دن کو عزم کی تجدید کے طور پر منایا۔ یہ محض ایک عسکری کامیابی کی یاد نہیں بلکہ قومی اتحاد، پیشہ ورانہ مہارت اور دفاع وطن کے غیر متزلزل عزم کی علامت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ گزشتہ برس جب خطے میں کشیدگی نے خطرناک رخ اختیار کیا اور بھارتی جارحیت نے صورتحال کو جنگ کے دہانے تک پہنچایا تو پاکستان کو ایک بڑے اور وسائل سے لیس دشمن کا سامنا تھا۔ عسکری اعداد و شمار کے اعتبار سے بھارت کو برتری حاصل سمجھی جاتی تھی، مگر تاریخ گواہ ہے کہ جنگیں صرف ہتھیاروں کی تعداد سے نہیں بلکہ حکمتِ عملی، قیادت اور قومی یکجہتی سے جیتی جاتی ہیں۔ معرکہ حق اسی حقیقت کا عملی ثبوت بنا۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف چوہدری نے پہلی سالگرہ کے موقع پر پاک فضائیہ اور پاک بحریہ کے سینئر افسران کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ معرکہ حق میں دشمن نے پاکستان کی پیشہ ورانہ مہارت اور فیصلہ کن صلاحیت کا عملی مشاہدہ کیا۔ ان کے بقول پاکستان نے ایک قسط دکھائی ہے، اور اگر آئندہ کسی قسم کی مہم جوئی کی گئی تو اس کا جواب پہلے سے زیادہ سخت، زیادہ درست اور زیادہ مؤثر ہوگا۔ انہوں نے ملٹی ڈومین آپریشنز میں پاکستان کی مہارت کو جدید جنگی تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ بری، بحری اور فضائی محاذوں پر مکمل تیاری برقرار ہے۔ فضائی محاذ پر کامیابیاں اس معرکے کا نمایاں پہلو رہیں۔ پاک فضائیہ نے نہ صرف دشمن کے برتری کے تصور کو چیلنج کیا بلکہ عالمی سطح پر اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا اعتراف بھی کروایا۔ دفاعی ماہرین کے مطابق جدید ٹیکنالوجی اور بروقت ردعمل نے دشمن کو غیر متوقع صورتحال سے دوچار کیا۔ بحری محاذ پر پاکستانی بندرگاہیں محفوظ رہیں اور دشمن سمندری حدود کی طرف پیش قدمی کی ہمت نہ کر سکا، جبکہ زمینی سرحدوں پر مکمل چوکسی نے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنایا رکھا۔ معرکہ حق کی کامیابی کا سب سے مضبوط ستون قومی اتحاد تھا۔ سیاسی جماعتوں نے اختلافات کو پس پشت ڈال کر یک آواز ہو کر دفاع وطن کی حمایت کی۔ پارلیمان میں ہونے والی تقاریر سے لے کر عوامی اجتماعات تک، ہر جگہ ایک ہی پیغام سنائی دیا کہ پاکستان کی خودمختاری پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔ یہی اتحاد دشمن کے لئے واضح اشارہ تھا کہ پاکستان کے خلاف کسی بھی مہم جوئی کی قیمت بھاری ہوگی۔ جمعہ کے روز وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات عطاء اللہ تارڑ نے پریس ایسوسی ایشن آف سپریم کورٹ کے زیر اہتمام منعقدہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان جنگ میں کامیابی کے ساتھ امن کا داعی بھی ہے اور ہمیشہ یہ موقف رکھتا آیا ہے کہ امن کو کمزوری نہ سمجھا جائے۔ انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ معرکہ حق کے دوران پوری قوم مسلح افواج کے شانہ بشانہ کھڑی تھی اور یہی اتحاد فتح کی بنیاد بنا۔ ان کے مطابق بیانیہ، سفارتی اور عسکری محاذوں پر مربوط حکمت عملی نے پاکستان کو منفرد کامیابی دلائی۔ وزیر اطلاعات نے یہ بھی کہا کہ پاکستان نے بروقت اور مؤثر جواب دے کر نہ صرف دشمن کے عزائم کو ناکام بنایا بلکہ عالمی سطح پر اپنے وقار میں اضافہ کیا۔ ان کے بقول پاکستان آج امن کی علامت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے اور اس کامیابی نے قوم کے اعتماد میں اضافہ کیا ہے۔ پاکستان امن کا خواہاں ہے مگر دفاع کے معاملے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوگا۔ پاکستان تنازعات کا حل مذاکرات اور انصاف کے ذریعے چاہتا ہے، تاہم اگر جارحیت مسلط کی گئی تو بھرپور جواب دیا جائے گا۔ یہ متوازن حکمت عملی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون رہی ہے۔ دوسری جانب بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی جارحانہ پالیسیوں پر عالمی سطح پر سوالات اٹھے۔ دفاعی تجزیہ کاروں کے مطابق بھارت کے بعض بیانات اور دعوے عالمی برادری کو مطمئن نہ کر سکے، جبکہ پاکستان کی ذمہ دارانہ سفارتکاری کو پذیرائی ملی۔ یوں معرکہ حق صرف عسکری نہیں بلکہ سفارتی سطح پر بھی پاکستان کی کامیابی ثابت ہوا۔ اس معرکے میں میڈیا کا کردار بھی غیر معمولی رہا۔ پاکستانی میڈیا نے ذمہ داری اور احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقائق پر مبنی رپورٹنگ کی، جس سے قومی بیانیہ مضبوط ہوا۔ سوشل میڈیا پر نوجوان نسل نے بھی تخلیقی انداز میں وطن سے محبت کا اظہار کیا اور عالمی سطح پر پاکستان کا مثبت تشخص اجاگر کیا۔ اطلاعات کے اس دور میں بیانیے کی جنگ بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنی سرحدوں پر لڑی جانے والی جنگ، اور اس میدان میں بھی پاکستان کامیاب رہا۔

شہداء کی قربانیاں اس معرکے کی روح ہیں۔ سرحدوں پر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے جوانوں نے ثابت کیا کہ آزادی اور سلامتی کی قیمت قربانی ہے۔ ان کے اہل خانہ کا صبر اور حوصلہ پوری قوم کے لئے باعث فخر ہے۔ قوم اس موقع پر اپنے شہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کرتی ہے کہ ان کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ معرکہ حق کی پہلی سالگرہ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ طاقت اور امن ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ تکمیل ہیں۔ مضبوط دفاع ہی پائیدار امن کی ضمانت بنتا ہے۔ پاکستان نے ایک طرف اپنی عسکری صلاحیت کا لوہا منوایا تو دوسری جانب عالمی برادری کو یہ یقین بھی دلایا کہ وہ خطے میں استحکام کا خواہاں ہے۔

یہ سالگرہ عہد کی تجدید کا دن ہے۔ یہ یاد دہانی ہے کہ مشکل وقت میں پاکستانی قوم ایک پرچم تلے جمع ہو سکتی ہے۔ کشمیر سے گوادر تک، شہری سے دیہی علاقوں تک، ہر پاکستانی نے ثابت کیا کہ وطن کی محبت سب سے بڑا جذبہ ہے۔ مستقبل کے لئے سب سے اہم پیغام یہی ہے کہ اس اتحاد کو وقتی جذبے تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے قومی ترقی اور معاشی استحکام کا ذریعہ بنایا جائے۔ اگر یہی ہم آہنگی برقرار رہی تو پاکستان نہ صرف دفاعی میدان میں بلکہ اقتصادی اور سماجی میدان میں بھی کامیاب ہوگا۔ آج ایک سال بعد یہ حقیقت مزید واضح ہو چکی ہے کہ پاکستان کا دفاع مضبوط ہاتھوں میں ہے، قوم متحد ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہے۔ ہم امن کے داعی ہیں، مگر اپنی سرزمین، خودمختاری اور وقار کے دفاع سے کبھی غافل نہیں ہوں گے۔ معرکہ حق کا یہی اصل پیغام ہے عزم، اتحاد اور وطن سے غیر متزلزل محبت۔

ہر قوم کی تاریخ میں کچھ دن بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں یہ قومی ایام ہوتے ہیں اور یہ قوموں کی زندگی کے نشیب و فراز، کامیابیوں، خاص واقعات سے جڑے ہوتے ہیں آج ہماری تاریخ کا ایک ایسا ہی دن ہے معرکہ حق اور آپریشن بنیان المرصوص کی تکمیل کو ایک سال پورا ہو گیا اور بلاشک و شبہ یہ ہماری قومی تاریخ کا ایک ان مٹ اور ناقابل فراموش باب ہے یہ سالگرہ نہ صرف ایک عسکری کامیابی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قومی وحدت، اجتماعی شعور اور دفاع وطن کے غیر متزلزل عزم کی تجدید کا بھی دن ہے۔

پاکستان نے ثابت کیا کہ وہ نہ صرف اپنے دفاع کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ عالمی امن کا بھی خواہاں ہے۔ پاکستان نے عالمی برادری کو یہ پیغام دیا کہ پاکستان تنازعات کا حل مذاکرات اور انصاف کے ذریعے چاہتا ہے۔ یہی متوازن پالیسی پاکستان کی اصل طاقت ہے ایک ہاتھ میں امن کا پرچم اور دوسرے ہاتھ میں دفاع کی مضبوط صلاحیت۔ دوسری جانب بھارتی قیادت کی جارحانہ حکمت عملی عالمی سطح پر تنہائی کا سبب بنی۔ بھارت کی جنگی جنونیت گیدڑ بھبکیوں اور پالیسیوں پر عالمی سطح پر سوالات اٹھے، جبکہ پاکستان کی سنجیدہ اور ذمہ دارانہ سفارتکاری کو پذیرائی ملی۔ یہ سفارتی کامیابی بھی معرکہ حق کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس جنگ میں میڈیا کا کردار بھی تاریخی رہا۔ پاکستانی میڈیا نے ذمہ داری اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے درست معلومات عوام تک پہنچائیں اور قومی بیانیے کو مؤثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے برعکس بھارتی میڈیا کے بے بنیاد دعوے عالمی سطح پر بے نقاب ہوئے، جس سے پاکستان کی ساکھ مزید مضبوط ہوئی۔ نوجوان نسل نے بھی اس معرکے میں بھرپور حصہ لیا۔ سوشل میڈیا پر پاکستانی نوجوانوں نے تخلیقی انداز میں قومی بیانیے کو فروغ دیا۔ یہ ایک نئی جہت تھی جس نے ثابت کیا کہ جدید دور میں جنگ صرف سرحدوں پر نہیں بلکہ معلومات اور بیانیے کے میدان میں بھی لڑی جاتی ہے۔ اب جبکہ ایک سال بیت گیا یہ سال ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اتحاد ہی اصل طاقت ہے۔ جب قوم ایک ہو جائے تو بڑے سے بڑا چیلنج بھی چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ معرکہ حق کی کامیابی اسی اتحاد کی دلیل ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اتحاد کو صرف بحران کے وقت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے قومی ترقی، معاشی استحکام اور سماجی بہتری کے لئے بھی استعمال کیا جائے۔ اگر ہم اسی جذبے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے تو پاکستان کا مستقبل روشن اور مستحکم ہوگا۔ پاکستان کا دفاع مضبوط ہاتھوں میں ہے اور قوم کا حوصلہ بلند ہے۔ ہم امن کے داعی ہیں، مگر اگر جنگ مسلط کی گئی تو دفاع وطن کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ یہی پیغام معرکہ حق کی پہلی سالگرہ ہمیں دیتا ہے۔ یہ دن شکر ادا کرنے کا دن ہے، عہد کی تجدید کا دن ہے اور اس یقین کا دن ہے کہ پاکستان ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔ شہداء کی قربانیاں، افواج کی جرات، قیادت کی بصیرت اور قوم کا اتحاد یہ چار ستون پاکستان کی طاقت ہیں۔ آج ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم امن کے داعی ہیں، مگر دفاع وطن سے غافل نہیں۔ یہی پاکستان کا نظریہ ہے، یہی اس کا مستقبل ہے، اور یہی اس کی پہچان رہے گی۔

☆......☆

> پاکستان تنازعات کا حل مذاکرات اور انصاف کے ذریعے چاہتا ہے، تاہم اگر جارحیت مسلط کی گئی تو بھرپور جواب دیا جائے گا
>
> پاکستان نے ایک قسط دکھادی، دشمن نے آئندہ اگر کوئی مہم جوئی کی تو اس کا جواب پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مؤثر انداز میں دیا جائے گا

افغان طالبان بند گلی میں... اپنی حکومت بچانے کیلئے سرگرم

اختلاف رائے پر اہم شخصیات کی گرفتاریاں صورتحال کو مزید خراب کر رہی ہیں، عام انتخابات کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے

نوید جان

یہ حقیقت ہے کہ جہاں پاکستان کے افغانستان کے ساتھ عالمی سیاست اور جغرافیائی مفادات وابستہ ہیں وہیں افغانستان اس کہیں زیادہ پاکستان پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ افغانستان پاکستان کے بغیر چل نہیں سکتا، پاکستان کے بغیر افغانستان کی معیشت کا پہیہ جام ہو کر رہ جائے گا، دوسری جانب بھارت اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بچانے کے لیے جیو پولیٹیکل پروفائل کو بحال کرنے کی کوشش میں ہے اور یہ پروفائل پاکستان کے لئے خطرات پیدا کیے بغیر بحال نہیں ہو سکتی تھی، اس وجہ سے ہندوستان نے افغان طالبان سے دوہرے فائدے حاصل کرنے کی کوشش کی، ایک افغان طالبان کے ذریعے سے خطرات پیدا کرنے، دوسرا اپنے جیو اکنامک انٹرسٹ کو بڑھانا تھا مگر دونوں محاذ پر انڈیا کامیاب نہیں ہو سکا کیوں کہ پاکستان نے ایران کو اپنے قریب کر لیا ہے اور بھارت کو مجبوراً ایرانی پورٹ سے انخلاء کرنا پڑا، چاہ بہار پورٹ سے انڈیا کا نقصان تو ہوا ہے لیکن افغانستان بڑی مشکل صورت حال سے دوچار ہو گیا ہے، افغانستان کو آکسیجن حاصل کرنے کے لیے دوبارہ پاکستان کی سمت آنا تھا لیکن اس بار پاکستان افغان طالبان کی حکومت کے ہوتے ہوئے اسے قبول کرنے کو تیار نہیں اور افغان طالبان کی لاکھ کوشش کے باوجود پاکستان کی جانب سے کوئی مثبت جواب نہیں دیا گیا۔

اس ضمن میں پاکستان نے سب سے پہلے تاجکستان سے بات چیت کے ذریعے انڈیا سے بیس خالی کروایا جو افغان طالبان کو سپورٹ فراہم کر رہا تھا، دوسرا ایران کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ کر کے انڈیا کو چاہ بہار سے انخلاء پر مجبور کروایا، تیسرا افغان طالبان کے ساتھ کشیدگی کے دوران صرف سیکیورٹی تھریٹ بننے والے اسلحہ ڈپو کو فوکس کیے رکھا اور اسے تباہ کرنا شروع کیا، اس صورت حال میں افغان طالبان دفاعی پوزیشن میں چلے گئے اور افغانستان کی یہی صورت حال پاکستان کو سوٹ کرتی ہے، اس وجہ سے پاکستان افغانستان میں وہ حکومت چاہتا ہے جس کے تعلقات انڈیا کے ساتھ نہیں بلکہ پاکستان کے ساتھ اچھے ہوں تاکہ پاکستان فرنٹ لائن پر نہ جاتے ہوئے فوکس صرف مشرقی بارڈر پر مرکوز کیے رکھے۔

دوسری جانب افغان طالبان اپنی حکومت بچانے کے لیے سرگرم ہیں، اس سلسلے میں قریبی لوگوں کی گرفتاریاں کی جا رہی ہیں، ملا عمر کے دور حکومت میں وزیر خزانہ اور اس افغان طالبان حکومت کے سینئر رہنما معتصم آغا جان کو طالبان انٹیلی جنس نے قندھار سے حراست میں لے لیا ہے۔ آغا جان کو 2001 سے طالبان تحریک میں ایک اہم شخصیت سمجھا جاتا ہے، یہ استنبول چلے گئے تھے، ان کو ملا یعقوب عمر منا کر لائے تھے، ان کو گرفتار اس وجہ سے کیا گیا ہے کیوں کہ آغا جان، منذر محمد افغانی، نجیب اللہ منیب اور زاہد راشدی سمیت متعدد مذہبی شخصیات نے ایک نئی مذہبی تحریک بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس میں پاکستانی اور افغانی علماء کرام شامل ہو رہے تھے اور یہ پاکستان نواز تحریک بنی تھی، اس کے علاوہ بدخشاں میں طالبان کے مزید سات ارکان کو گرفتار کیا گیا ہے، حراست میں لئے گئے ان افراد میں وزارت دفاع کی کمیونیکیشن بٹالین کے یونٹ کمانڈر عبداللہ رحمانی اور ایک پہلی کیشن افسر فیصل البدر الہاشمی، صہیب خراسانی، ہارون ہاشمی، جبیر ہاشمی، عبدالمجید احمدی اور اسامہ برہانی شامل ہیں، اسامہ برہانی بدخشاں کی ریڈیو اور ٹیلی ویژن سروس کے سابق ڈائریکٹر ہیں، ان کو ایک کمانڈر کی ضمانت پر رہا کیا گیا ہے، باقی کو کابل منتقل کیا گیا ہے، عباس ستانکزئی، جو طالبان کے ایک سینئر کمانڈر ہیں، نے خواتین کی تعلیم، آئین اور مشاورت کی ضرورت پر زور دیا اور نسبتاً معتدل موقف اختیار کیا لیکن اس پر انہیں شدید اندرونی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ 2025 میں انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر پابندی کو تنقید کا نشانہ بنایا تو قیادت نے انکے خلاف کارروائی کی، انہیں محدود کیا گیا اور مبینہ طور پر گرفتاری کے احکامات بھی جاری کیے گئے، جو ظاہر کرتا ہے کہ طالبان نظام کے اندر بھی اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں، صرف یہی نہیں، عباس ستانکزئی کو مبینہ طور پر گرفتاری کے احکامات اور سفری پابندیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، انہیں اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور بعد ازاں انہوں نے افغانستان چھوڑ دیا۔

اطلاعات کے مطابق 15 اپریل کو افغان طالبان کی اجازت کے بغیر مشرقی افغانستان کے علاقے نورستان اور چترال کے قبائلی رہنماؤں کے درمیان مذاکرات ہوئے،

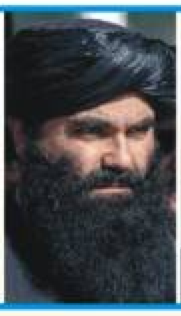

مذاکرات کے بعد کامدیش اور برگ متل اضلاع کو ملانے والے تجارتی راستوں کو دوبارہ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا، پاکستان نے ایران سے سینٹرل ایشیائی ممالک تک رسائی حاصل کر لی ہے مگر افغان طالبان کے لیے کوئی راستہ نہیں بچا، افغان طالبان کے پاس موجود اسلحہ اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ اندر سے اٹھنے والی بغاوت کا مقابلہ کر سکیں۔ اندر سے پیدا ہونے والا ردعمل طالبان حکومت کے لئے خطرات پیدا کر رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ موجودہ حکومت اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں رہ پائے گی۔ افغان طالبان جس اسلحہ پر انحصار کر رہے تھے وہ اب ختم ہو چکا ہے۔

اس ساری صورت حال کے تناظر میں بین الاقوامی امور کے ماہر جریدے ”ماڈرن ڈپلومیسی“ نے افغانستان کی موجودہ صورت حال پر ایک چشم کشا رپورٹ شائع کی ہے، جس میں افغان طالبان کے دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ گٹھ جوڑ کو بے نقاب کیا گیا ہے، رپورٹ میں براہ راست الزام عائد کیا گیا ہے کہ افغان طالبان اپنی ”غیر قانونی حکومت“ کو برقرار رکھنے اور داخلی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ممنوعہ تنظیموں کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں، جریدے کے مطابق طالبان رجیم ان گروہوں کو محفوظ پناہ گاہوں کے ساتھ ساتھ عسکری وسائل بھی مہیا کر رہی ہے، یورپی جریدے کی اس رپورٹ نے پاکستان کے ان خدشات کو درست ثابت کر دیا ہے کہ افغانستان دہشت گردی کی نرسری بن چکا ہے، فتنۃ الخوارج کو افغان سرزمین پر مکمل ریاستی تحفظ حاصل ہے، افغان انتظامیہ جان بوجھ کر پڑوسی ممالک کے امن کو داؤ پر لگا رہی ہے، رپورٹ کے آخر میں خبردار کیا گیا ہے کہ طالبان کی جانب سے دہشت گردوں کی یہ سرپرستی عالمی برادری کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے، اگر فوری طور پر ان ٹھکانوں کا سدباب نہ کیا گیا تو افغانستان سے اٹھنے والی دہشت گردی کی یہ لہر پوری دنیا کے امن کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

دوسری جانب اقوام متحدہ میں افغانستان کی نمائندگی کے معاملے پر غیر یقینی صورت حال برقرار ہے جب کہ ملک مسلسل چوتھے سال بھی جنرل اسمبلی میں ووٹ کے حق سے محروم ہے، افغان میڈیا کے مطابق طالبان حکومت کی پالیسیوں اور عالمی تقاضوں سے انحراف کے باعث اقوام متحدہ کی متعلقہ کمیٹی نے اب تک افغانستان کی مستقل نشست طالبان کے حوالے نہیں کی، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انسداد دہشت گردی، اسمگلنگ کی روک تھام اور انسانی حقوق سے متعلق عالمی مطالبات کو طالبان حکومت اندرونی معاملہ قرار دے رہی ہے جس کے باعث سفارتی پیش رفت تعطل کا شکار ہے، مزید برآں اقوام متحدہ کے سالانہ واجبات کی عدم ادائیگی کے سبب افغانستان کو مسلسل چوتھے سال جنرل اسمبلی میں ووٹنگ کے حق سے محرومی کا سامنا ہے جو عالمی سطح پر اس کی کمزور سفارتی حیثیت کی عکاسی کرتا ہے۔

افغانستان میں قائم طالبان کی حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے عالمی سطح پر اس پر تنقید ہو رہی ہے، ملا ہیبت اللہ اخوندزادہ خود کو امیر المومنین قرار دیتے ہیں، ایک ایسی حکومت جو بندوق کے زور پر قائم ہو جس میں عوام کی رائے شامل نہ ہو، کسی صورت اسلامی امارت نہیں کہلا سکتی، جس میں تمام طاقت قندھار میں مرتکز ہو چکی ہے اور ریاستی ڈھانچہ ایک شخصی نظام میں تبدیل ہو چکا ہے، عوام کی خاموشی رضامندی نہیں بلکہ خوف، دباؤ اور بقا کی مجبوری ہے، اختلاف رائے کو بغاوت قرار دیا جاتا ہے، تنقید کو جرم بنا دیا گیا ہے۔

افغانستان ایک کثیر النسلی ملک ہے جہاں پشتون 40 سے 45 فی صد، تاجک 25 سے 30 فی صد، ہزارہ 9 سے 15 فی صد اور ازبک و ترکمان 10 سے 13 فی صد ہیں، مگر طالبان کی رہبری شوریٰ جس کے قریباً 20 سے 25 ارکان ہیں، اس میں 85 سے 95 فی صد پشتون شامل ہیں، 49 رکنی کابینہ میں صرف 2 تاجک، 2 ازبک، 2 بلوچ اور ایک نورستانی شامل ہیں جب کہ ہزارہ برادری مکمل طور پر خارج ہے اور خواتین کی کوئی نمائندگی نہیں، قندھار شوریٰ میں اقلیتوں کی مکمل عدم موجودگی، کابینہ میں غیر پشتون کی محدود اور غیر موثر نمائندگی اور سکیورٹی اداروں پر مکمل پشتون کنٹرول اس بات کا ثبوت ہے کہ تاجک، ازبک، ہزارہ اور ترکمان قومیتوں کو مکمل طور پر اقتدار سے باہر رکھا گیا ہے۔

2026 کے ضابطوں کے مطابق ناقدین کو بغاوت یا فساد کے زمرے میں ڈال کر قید، تشدد اور بعض صورتوں میں قتل تک کی اجازت دی گئی ہے، خواتین، کارکنان اور مخالفین کو دھمکیاں، ہراسانی اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جب کہ بیرونی عناصر یا مداخلت کار کا الزام لگا کر اندرونی اختلاف کو بھی کچلا جاتا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ نظام مکمل طور پر خوف، خاموشی اور جبر کے ذریعے قائم رکھا گیا ہے، یہ نظام الگ تھلگ اور بند دائرے میں چلنے والی حکمرانی کی مثال ہے، فیصلے قندھار میں ایک محدود حلقے میں کیے جاتے ہیں جب کہ عوام، میڈیا اور حتیٰ کہ ریاستی ادارے بھی اس عمل سے باہر ہیں، یہ ایک بند دائرے میں قائم طرز حکمرانی ہے جہاں حکمران عوام سے مکمل طور پر کٹا ہوا، غیر شفاف اور ہر قسم کی جوابدہی سے بالاتر ہے، طالبان حکمرانی صرف سیاسی نہیں بلکہ نظریاتی اور سماجی کنٹرول بھی ہے، قبائلی روایات کو سخت مذہبی تعبیر کے ساتھ ملا کر ایک ایسا نظام نافذ کیا گیا ہے جو خواتین کو تعلیم، روزگار اور عوامی زندگی سے باہر نکالتا ہے، اختلاف کو دباتا ہے اور جدید طرز حکمرانی کو مسترد کرتا ہے، اسلام عدل و انصاف پر زور دیتا ہے جہاں قانون سب کے لیے برابر ہو لیکن موجودہ نظام میں مختلف طبقات کے لیے مختلف رویے اپنائے جاتے ہیں، ایک ہی جرم کے لیے مختلف سزائیں دی جاتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ قانون طاقتور کے تحفظ

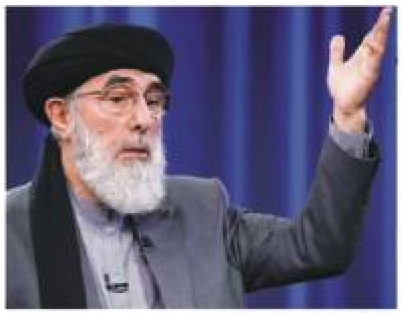

اور کمزور کے خلاف استعمال ہو رہا ہے، یہ اسلامی اصول مساوات اور عدل کی خلاف ورزی ہے، اس نظام میں نہ کوئی پارلیمان ہے، نہ آزاد عدلیہ اور نہ ہی آزاد میڈیا، تمام فیصلے ایک فرد اور اس کے محدود حلقے تک محدود ہیں، کوئی احتساب نہیں، کوئی شفافیت نہیں، اسلام میں حکمران جوابدہ ہوتا ہے لیکن یہاں حکمران خود کو قانون سے بالاتر سمجھتا ہے، اگرچہ طالبان اور ان کے حامی موجودہ صورت حال کو امن و استحکام قرار دیتے ہیں لیکن یہ دراصل قبرستان جیسا امن ہے، ایسا سکوت جو عوامی رضامندی کے بجائے خوف، جبر اور اختلاف رائے کی عدم موجودگی پر قائم ہے، معیشت، تعلیم اور عوامی فلاح کے میدان میں یہ نظام ناکام ہے، غربت، بے روزگاری اور خوراک کا بحران بڑھ رہا ہے، جب کہ خواتین کی تعلیم پر پابندیاں اور جدید علوم کی مخالفت معاشرے کو پیچھے دھکیل رہی ہے، اسلام علم، ترقی اور فلاح کا دین ہے لیکن یہاں جمود اور پسماندگی کو فروغ دیا جا رہا ہے، مذہب کو اس نظام میں ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، شریعت کو انصاف اور رہنمائی کے بجائے اقتدار کے تحفظ، کنٹرول اور اطاعت مسلط کرنے کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے، یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے جس میں دین رہنمائی اور عدل کا ذریعہ ہے، نہ کہ جبر کا۔ افغانستان کے سابق وزیراعظم گلبدین حکمت یار نے بھی طالبان حکومت کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے ملک میں جلد انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ کر دیا ہے، افغان میڈیا رپورٹس کے مطابق حکمت یار کا کہنا ہے کہ موجودہ سیاسی ڈھانچہ عوامی امنگوں کی عکاسی نہیں کرتا، جس کے باعث ملک میں بے چینی اور غیر یقینی صورت حال بڑھ رہی ہے، سابق وزیراعظم کا کہنا تھا کہ افغانستان کو پائیدار سیاسی استحکام کی طرف لے جانے کے لیے فوری اصلاحات ناگزیر ہو چکی ہیں، انہوں نے زور دیا کہ افغانستان میں سیاسی استحکام کے لیے عوام کی رائے کو شامل کرنا ضروری ہے۔

پٹرولیم مصنوعات کی قیمت میں ہوشربا اضافہ

حکومتِ پاکستان کسی بحران سے بچنے کیلئے خود تیل کا ذخیرہ کیوں نہیں کرسکتی؟

ایران کی اسرائیل اور امریکہ سے جنگ کے بعد سے تیل کی عالمی قیمتیں مسلسل اتار چڑھاؤ کا شکار ہیں اور پاکستانی حکام نے اس بحران کے بعد ملک میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں کا تعین ہفتہ وار کرنے کا اعلان کر رکھا ہے

فیصل منظور

حکومتِ پاکستان نے ملک میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمت میں ایک بار پھر اضافہ کر دیا۔ گذشتہ جمعرات کی شب پیٹرولیم ڈویژن سے جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کے مطابق یکم مئی سے پیٹرول کی فی لیٹر قیمت میں چھ روپے 51 پیسے کا اضافہ کیا گیا، جس کے بعد اس کی نئی قیمت 399 روپے 86 پیسے فی لیٹر ہو گئی۔ اس کے علاوہ ہائی سپیڈ ڈیزل کی فی لیٹر قیمت میں 19 روپے 39 پیسے کا اضافہ کیا گیا، جس کے بعد اس کی نئی قیمت 399 روپے 58 پیسے فی لیٹر ہوگئی۔ نوٹیفکیشن کے مطابق پیٹرول پر فی لیٹر لیوی 3 روپے 88 پیسے کم کر دی گئی جبکہ ڈیزل پر فی لیٹر 28 روپے 69 پیسے لیوی عائد کی گئی۔ ڈیزل پر پہلے یہ لیوی صفر تھی۔ ایران کی اسرائیل اور امریکہ سے جنگ کے بعد سے تیل کی عالمی قیمتیں مسلسل اتار چڑھاؤ کا شکار ہیں اور پاکستانی حکام نے اس بحران کے بعد ملک میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں کا تعین ہفتہ وار کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ امریکی صدر ٹرمپ کی جانب سے ایران کے خلاف مزید جنگی کارروائیوں اور بحری ناکہ بندی کو طول دینے پر غور اور آبنائے ہرمز کی مسلسل بندش کی وجہ سے جمعرات کو برینٹ خام تیل کی فی بیرل قیمت تقریباً سات فیصد اضافے کے بعد 126 ڈالر سے اوپر چلی گئی تھی۔ یہ سنہ 2022 میں یوکرین پر روسی حملے کے بعد کی بلند ترین سطح تھی۔ تاہم دن کے اختتام پر عالمی مارکیٹ میں برینٹ خام تیل کی فی بیرل قیمت کم ہو کر 114 ڈالر پر آ گئی جبکہ ڈبلیو ٹی آئی 110 ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر 104 ڈالر فی بیرل پر آ گیا تھا۔

گذشتہ جمعرات کو پاکستان میں شام سے ہی ملک کے بڑے شہروں میں پیٹرول پمپس پر گاڑیوں کی طویل قطاریں دیکھی گئیں جس کی وجہ قیمت میں اضافے کے علاوہ سوشل میڈیا پر پیٹرولیم ڈیلرز کی ہڑتال کی افواہیں بھی رہیں تاہم پیٹرولیم ڈویژن کی جانب سے بھی کہا گیا کہ یکم مئی سے پیٹرول پمپس کی بندش کی خبروں میں کوئی صداقت نہیں اور پیٹرولیم مصنوعات کی فراہمی بلاتعطل جاری رہے گی۔

ایران امریکہ جنگ کے آغاز کے بعد سے پاکستان کے سرکاری حکام بارہا یہ واضح کر چکے ہیں کہ ملک کے پاس کسی بھی بحران اور ہنگامی صورتحال میں تیل کا 28 روز کا سٹاک موجود رہتا ہے مگر کیا یہ کافی ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس نے ملک میں سٹریٹیجک ریزروز کی عدم موجودگی کے معاملے کو ایک بار پھر بحث کا موضوع بنا دیا۔

پاکستان کے وزیر پیٹرولیم علی پرویز ملک بھی پاکستان میں تیل کے سرکاری وسائل نہ ہونے پر بات کر چکے ہیں۔ ایک نیوز چینل کو دیے انٹرویو کے دوران ان کا کہنا تھا کہ 'سٹریٹیجک ریزروز حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اسے کسی بھی وقت ریلیز کر کے قیمت میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔' انھوں نے تسلیم کیا کہ 'پاکستان کے پاس وسائل کی قلت ہے، اس لیے حکومت کے پاس سٹریٹیجک ریزروز نہیں مگر ریفائنریز اور او ایم سیز کو جو ہم نے لائسنسز دیے ہوئے ہیں، اس کے مطابق ہمارے پاس ایک ماہ سے زیادہ کا تیل موجود ہوتا ہے۔' وہ کہتے ہیں کہ ملک میں تیل کی سٹوریج سے متعلق ایک منصوبہ ترتیب دیا جا رہا ہے جس میں تمام وسائل کو میپ کیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ 'بیرونِ ملک تیل کی کمپنیاں جیسے آرامکو کے ساتھ مل کر ویئر ہاؤس سکیم کو بھی اپ ڈیٹ کرنے جا رہے ہیں۔'

ملک میں اس حوالے سے مختلف تجاویز زیرِ غور ہیں اور اگر مقامی ذرائع ابلاغ پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ پیٹرولیم ڈیولپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) میں کچھ رقم اس مقصد کے لیے مختص کی جائے۔ آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ سٹریٹیجک آئل ریزروز کیا ہیں اور پاکستان کو دیگر ممالک کی طرح انھیں قائم کرنے میں کیا چیلنجز درپیش ہو سکتے ہیں۔

سٹریٹیجک آئل ریزروز کیا ہوتے ہیں؟

سٹریٹیجک آئل ریزروز یا سٹریٹیجک پیٹرولیم ذخائر وہ ہنگامی تیل کے ذخیرے ہوتے ہیں جو ممالک اس مقصد کے لیے محفوظ رکھتے ہیں کہ جنگ، قدرتی آفات، پابندیوں یا عالمی منڈی میں اچانک سپلائی میں رکاوٹ کی صورت میں توانائی کی فراہمی متاثر نہ ہو۔ اکثر خام تیل کی صورت میں یہ تیل پہلے ہی نکالا جا چکا ہوتا ہے اور ضرورت پڑنے پر فوری طور پر مارکیٹ میں لایا جا سکتا ہے۔

ان ذخائر کا تصور خاص طور پر 1970 کی دہائی کے تیل بحران کے بعد سامنے آیا، جس کے بعد بین الاقوامی توانائی ایجنسی نے رکن ممالک کو لازم کیا کہ وہ کم از کم 90 دن کی درآمدات کے برابر تیل کا ذخیرہ رکھیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قیمتوں میں شدید اتار چڑھاؤ کو روکا جا سکے اور معیشت کو بڑے جھٹکے سے بچایا جا سکے۔

امریکہ، چین اور جاپان کے پاس دنیا کے بڑے سٹریٹیجک آئل ذخائر ہیں اور ماضی میں روس یوکرین جنگ سمیت کئی عالمی بحرانوں کے دوران ان ذخائر سے تیل جاری کیا جا چکا ہے تاکہ عالمی منڈی کو سہارا دیا جا سکے۔ مگر اب حالیہ ایران جنگ کے دوران بھی ان کی ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے کہ جب خلیجی ممالک پر ایرانی حملوں کے بعد تیل کی پیداوار متاثر ہوئی جبکہ آئل ٹینکروں کو آبنائے ہرمز سے گزرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔

کیا پاکستان کو واقعی سٹریٹیجک ریزروز کی ضرورت ہے؟

مشرق وسطیٰ کے بحران کے دوران پاکستانی حکام بارہا یہ تسلی دے چکے ہیں کہ ملک کے پاس کسی بھی وقت میں تیل کا 28 دن کا سٹاک موجود رہتا ہے مگر وہ اس وقت کمرشل ذخائر کی بات کر رہے ہوتے ہیں۔ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ اکنامکس (پائیڈ) میں توانائی کے شعبے کی محقق ڈاکٹر عافیہ ملک کا کہنا ہے کہ اصولاً صرف سٹریٹیجک ریزروز کا اختیار حکومت کے پاس ہوتا ہے جبکہ کمرشل ریزروز ریفائنریوں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کے پاس ہی ہوتے ہیں جنھوں نے اس شعبے میں سرمایہ کاری کی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے پاس اس وقت 20 سے زیادہ دن کا 'امپورٹ کور' موجود ہے۔ تیل اور گیس کے محکمے اوگرا نے کمپنیوں کے لائسنسز میں یہ شرط شامل کی ہوئی ہے کہ ان کے پاس 20 روز کا سٹاک موجود ہونا چاہیے۔ یعنی یومیہ جتنا سٹاک نکل رہا ہے، وہ اسے پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس تیل کی سٹوریج کے لیے ان کمپنیوں کے مارجن سے بھی کچھ حصہ خرچ ہوتا ہے۔ مگر سٹریٹیجک ریزروز کا مقصد سپلائی چین میں خلل یا بحران کی صورت سے نمٹنا ہے۔

ڈاکٹر عافیہ کے مطابق اگر یہ ریزروز خام تیل کی صورت میں ہوں تو انھیں ریفائنریوں کو آکشن کیا جاتا ہے اور اگر یہ پیٹرولیم مصنوعات کی صورت میں ہیں تو انھیں آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کو فروخت کیا جاتا ہے۔

زاہد میر ملک میں تیل و گیس کے شعبے میں کئی دہائیوں تک مختلف کمپنیوں کے ساتھ وابستہ رہ چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں یہ بحث گذشتہ 30 سال سے ہو رہی ہے کہ آیا اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کی اس لیے ضرورت ہے کہ پاکستان کی تیل کی درآمدات پر مشرق وسطیٰ پر بہت زیادہ انحصار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت تو پاکستان متحدہ عرب امارات میں فجیرہ بندرگاہ سے تیل کی درآمدات جاری رکھ پا رہا ہے، یعنی اس کے لیے آبنائے ہرمز سے گزرنا نہیں پڑتا یا سعودی عرب سے بحیرہ احمر کی طرف سے تیل کی درآمدات جاری ہیں۔ لیکن اگر ان راستوں پر نئے چیلنجز پیدا ہوتے ہیں، جیسے بحیرہ احمر پر حوثیوں کے حملے، تو خام تیل درآمد کرنا ناممکن ہو سکتا ہے۔

اس صورت میں ان کے بقول پاکستان کو انٹرنیشنل مارکیٹ سے تیل خریدنا پڑے گا جس سے لاگت زیادہ آئے گی اور زیادہ وقت لگے گا۔ مثلاً امریکہ سے تیل لانے میں ایک ماہ اور نائیجیریا سے 28 دن لگ سکتے ہیں۔ وہ اس جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ جنگوں کی صورت میں بھی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر کے سپلائز کو روکا جاتا ہے، جیسے 1971 کی جنگ میں ہوا تھا۔ تو یہ ریزروز ایسے دنوں کے لیے ضروری ہیں تاکہ 'بحران میں بھی ریفائنریوں کو آپریٹ کیا جا سکے اور بڑھتی قیمت کو کنٹرول کیا جائے۔' وہ مثال دیتے ہیں کہ امریکہ کے پاس 800 ملین بیرل کے ریزروز ہیں جن کے ذریعے وہ قیمت میں تیزی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

سٹریٹیجک ریزروز رکھنا کیوں مشکل ہے؟

ڈاکٹر عافیہ ملک بتاتی ہیں کہ پاکستان کے تناظر میں یہ اس لیے مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے مہنگے انفراسٹرکچر پر سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے۔ اس وقت ملک میں سٹوریج کی تنصیبات 'صرف ریفائنریوں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کے پاس ہیں۔' اس کے لیے سٹیبلائزرز، احتیاطی تدابیر اور انفراسٹرکچر درکار ہے جو اسے مہنگا منصوبہ بنا دیتا ہے۔ اس کے لیے اربوں ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد مینٹیننس کی بھی لاگت آتی ہے۔ چونکہ پاکستان میں تیل کی مقامی پیداوار نہیں تو ان ریزروز کو بھرنے کے لیے وسائل چاہییں۔' وہ کہتی ہیں کہ دنیا بھر میں ان ریزروز پر اس وقت تیزی سے کام کیا جاتا ہے جب عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتیں کم ہوں۔

ادھر زاہد میر کا کہنا ہے کہ چین اور انڈیا نے اپنی ضرورت کے مطابق ایسے ریزروز رکھے ہوئے ہیں اور انھیں زیرِ زمین یا ٹینکوں کے اندر یا نمک کی کانوں میں رکھا جاتا ہے۔ زاہد میر کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کے پاس یقیناً اتنے وسائل نہیں کہ وہ سٹریٹیجک ریزروز قائم کر سکیں۔ یہ تجویز سامنے آئی ہے کہ اسکے لیے ایک سرکاری کمپنی بنائی جائے 'مگر مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں اس کا خیال صرف اسی وقت آتا ہے جب کوئی بحران پیدا ہوتا ہے۔ اسکے بعد سب بھول جاتے ہیں۔' 'چونکہ یہ ریزروز کمرشل نہیں بلکہ سٹریٹیجک مقاصد کیلئے قائم کیے جاتے ہیں تو عام حالات میں ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔'

تیل کی صنعت کے ماہر کا کہنا ہے کہ اس کے لیے آئل پروڈیوسرز یا دیگر کمپنیوں کے ساتھ شراکت بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ وہ انڈیا کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے بعض ریزروز کے لیے ایک کمپنی سے ہی شراکت کی ہوئی تھی اور حالیہ بحران کے دوران ملک کی ضرورت کو اسی سٹوریج فیسلٹی سے پورا کیا گیا۔

دریں اثنا پاکستان کے پاس یہ آپشن بھی موجود ہے کہ ان ریزروز کے لیے کسی دوست ملک سے مدد حاصل کی جائے۔ ڈاکٹر عافیہ کا کہنا ہے کہ پاکستان اپنے سٹریٹیجک ریزروز کسی دوسرے ملک میں بھی رکھوا سکتا ہے یا پھر کسی دوسرے کی کمپنی کو پاکستان میں اس شعبے میں سرمایہ کاری کی دعوت دے سکتا ہے۔ یوں اس سٹوریج فیسلٹی کو پہلے پاکستان کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔ دوسری طرف زاہد میر کہتے ہیں کہ اصولاً یہ اضافی تیل اپنے ہی ملک میں موجود ہونا چاہیے کیونکہ مستقبل میں بھی مشرق وسطیٰ میں سپلائی چین میں خلل پیدا ہونے کا خدشہ برقرار ہے۔ مگر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا سٹریٹیجک ریزروز قائم کرنے کی بجائے ریفائنریز اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کو اپنا سٹاک بڑھانے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس پر ڈاکٹر عافیہ کہتی ہیں کہ ان کمپنیوں کے پاس لیکویڈیٹی کے وسائل ہوتے ہیں اور حکومت کو مزید سٹوریج فیسلٹیز کے لیے انھیں مالی مراعات دینی پڑیں گی تاکہ وہ مزید سرمایہ کاری کر سکیں۔

مقامی ذرائع ابلاغ کی بعض خبروں کے مطابق ایسی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں کہ سٹریٹیجک ریزروز بنانے کے لیے پیٹرولیم ڈیولپمنٹ لیوی یعنی پی ڈی ایل کو بڑھا دیا جائے تاہم ڈاکٹر عافیہ ملک اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتیں اور ان کا کہنا ہے کہ موجودہ لیوی کو ہی استعمال کیا جانا چاہیے، نہ کہ ان کے لیے عوام پر مزید بوجھ ڈالا جائے۔ جبکہ زاہد میر کا کہنا ہے کہ اگر ملک میں ایک ماہ میں دو ارب لیٹر پیٹرول فروخت ہوتا ہے اور اس میں صرف پانچ روپے کا پی ڈی ایل بھی شامل کیا جائے تو اس سے 20 ارب روپے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ 'تو یہ تجویز ہے کہ آپ کو کہیں سے تو شروع کرنا ہے کیونکہ حکومت کے پاس تو اتنے پیسے نہیں کہ اس پر خرچ کر سکے۔'

بچوں کے خون میں سیسہ:
پاکستان میں ایک خاموش اور سنگین صحت کا بحران

پاکستان میں بچوں کے خون میں سیسہ کیسے شامل ہو رہا ہے اور یہ ایک سنگین خطرہ کیوں ہے؟

مقصود خالد، بیورو لاہور

پاکستان میں بچوں کے خون میں سیسہ کی موجودگی ایک ایسا سنگین خطرہ بن چکا ہے جو نہ صرف انفرادی بچوں کی زندگیاں متاثر کر رہا ہے بلکہ قومی مستقبل کو بھی دھندلا رہا ہے، جہاں صنعتی علاقوں جیسے خیبر پختونخوا کے ہری پور کے حطار انڈسٹریل اسٹیٹ میں رہنے والے عامر شہزاد جیسے غریب مزدوروں کے بچے، خاص طور پر آٹھ سالہ طوبیٰ شہزادی، شدید جسمانی اور ذہنی مسائل کا شکار ہو رہے ہیں، طوبیٰ جو کبھی گھر کی رونق تھی اب نہ بات کرتی ہے، نہ کھیلتی ہے اور نہ ہی پڑھائی میں دلچسپی رکھتی ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کی دماغی نشوونما رک گئی ہے اور اسے صاف پانی اور آلودگی سے پاک خوراک کی ضرورت ہے مگر غریب خاندانوں کے لیے یہ ممکن نہیں جب سرکاری نل کا پانی اور بازار کی سبزیاں ہی آلودہ ہوں، اقوام متحدہ کے یونیسف اور پاکستان کی وفاقی وزارت صحت کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے سات بڑے شہروں کے ہائی رسک

صنعتی علاقوں میں 12 سے 36 ماہ کے تقریباً ہر دس میں سے چار بچوں کے خون میں سیسہ پایا گیا ہے، حطار میں تو 88 فیصد بچوں میں بلند سطح ریکارڈ کی گئی جبکہ اسلام آباد میں صرف ایک فیصد، یہ رپورٹ 2100 سے زائد بچوں کے خون کے نمونوں پر مبنی ہے جو اسلام آباد، کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، راولپنڈی اور ہری پور میں لیے گئے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ صنعتی فضلہ، بیٹریوں کی غیر رسمی ری سائیکلنگ، سیسے والے پینٹ، آلودہ پانی اور مصالحے جیسے ذرائع بچوں کو مسلسل زہر دے رہے ہیں، بلوچستان کے کوئٹہ میں 24 فیصد بچوں کے خون میں 5 مائیکروگرام فی ڈیسی لیٹر سے زیادہ سیسہ ملا جبکہ پنجاب کے لاہور میں بھی نسبتاً زیادہ شرح ہے جو مجموعی طور پر 1.1 سے 1.9 مائیکروگرام کی سطح دکھاتی ہے، یہ رپورٹس ثابت کرتی ہیں کہ مسئلہ صرف خیبر پختونخوا تک محدود نہیں بلکہ پورے پاکستان بشمول بلوچستان اور پنجاب میں پھیلا ہوا ہے جہاں غریب آبادی صنعتی زونز کے قریب رہتی ہے اور روزمرہ کی اشیاء سے سیسہ جذب کر رہی ہے، سیسہ ایک زہریلی بھاری دھات ہے جو بچوں کے جسم میں آسانی سے جذب ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے جسم میں کوئی محفوظ سطح نہیں ہوتی، بالغوں کے مقابلے بچے اسے زیادہ جذب کرتے ہیں اور یہ دماغ، اعصابی نظام، نشوونما، IQ، توجہ، یادداشت اور رویے کو مستقل طور پر نقصان پہنچاتا ہے، حتیٰ کہ بہت کم مقدار بھی لاعلاج نقصان کا باعث بن سکتی ہے، رپورٹس بتاتی ہیں کہ اس سے غذائی کمی، خون کی کمی، قد اور وزن میں رکاوٹ، اور دماغی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو بچوں کو زندگی بھر کے لیے معذور بنا سکتے ہیں، پاکستان جیسے ملک میں جہاں غربت، آگاہی کی کمی اور صنعتی ضوابط کی عدم پابندی عام ہے یہ بحران مزید شدید ہو رہا ہے، حکومت اور یونیسف نے قومی ایکشن پلان کی بات کی ہے جس میں 2040 تک سیسہ سے پاک ماحول کا ہدف شامل ہے مگر عمل درآمد، نگرانی اور عوامی آگاہی کے بغیر یہ خواب ہی رہے گا۔

سیسے کی آلودگی کے ذرائع، اثرات اور پاکستان بھر میں پھیلاؤ
بچوں کے خون میں سیسہ داخل ہونے کے متعدد ذرائع ہیں جو پاکستان کے صنعتی اور شہری علاقوں میں عام ہیں، حطار جیسے مقامات پر فیکٹریوں کا دھواں، گندا پانی، مٹی کی آلودگی اور مزدوروں کے کام کے کپڑوں پر لگا سیسہ گھروں تک پہنچ رہا ہے، پانی کی پائپ لائنز فیکٹریوں سے گزرتی ہیں جن میں سیسے کی مقدار 50 مائیکروگرام فی لیٹر تک پہنچ جاتی ہے جو عالمی معیار سے کئی گنا زیادہ ہے، غیر رسمی بیٹری ری سائیکلنگ، سیسے والے پینٹ، چمکدار پلاسٹک کے برتن، ہلدی جیسے مصالحے اور تعمیراتی مواد سب اس زہر کو پھیلا رہے ہیں، پنجاب کے لاہور اور بلوچستان کے کوئٹہ سمیت دیگر شہروں میں بھی ٹریفک کے دھوئیں، صنعتی اخراج اور آلودہ خوراک کی وجہ سے بچوں میں سیسہ پایا جا رہا ہے، قدیم سائنسی تحقیقات حطار کی مٹی اور پانی میں بھاری دھاتوں کی اعلیٰ سطح کی تصدیق کرتی ہیں جو فصلوں تک پہنچ کر خوراک کی زنجیر آلودہ کر رہی ہیں، سیسے کے اثرات انتہائی خطرناک ہیں کیونکہ یہ ہڈیوں میں جمع ہو جاتا ہے اور چھ سات سال تک علامات ظاہر نہیں ہوتے، نتیجتاً بچوں کی ذہانت کم ہوتی ہے، رویے کے مسائل پیدا ہوتے ہیں، سیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور معاشی طور پر بھی ملک کو اربوں ڈالر کا نقصان ہوتا ہے، ایک اندازے کے مطابق جی ڈی پی کا 6 سے 8 فیصد حصہ اس بحران کی وجہ سے ضائع ہو سکتا ہے، ڈاکٹروں کے پاس اکثر سیسے کی جانچ کی سہولت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے علامات کی بنیاد پر علاج ہوتا ہے جو ناکافی رہتا ہے، آغا خان یونیورسٹی کے ماہرین بتاتے ہیں کہ پاکستان میں یہ ٹیسٹ محدود لیبارٹریوں تک ہیں اور دنیا بھر میں لاکھوں بچے اس زہر سے متاثر ہو رہے ہیں مگر ہمارے ہاں اعداد و شمار کی کمی ہے، ترقی یافتہ ممالک نے سیسے پر کنٹرول کر لیا ہے مگر ترقی پذیر ممالک جیسے پاکستان میں یہ اب بھی بڑھ رہا ہے، بلوچستان اور پنجاب کی رپورٹس بھی یہی دکھاتی ہیں کہ صنعتی اور شہری غریب آبادی سب سے زیادہ خطرے میں ہے، جہاں بچے کھیلتے ہوئے آلودہ مٹی کھا لیتے ہیں یا پانی پیتے ہیں، یہ نہ صرف جسمانی بلکہ نفسیاتی اور معاشرتی مسائل پیدا کر رہا ہے جو نسل در نسل منتقل ہو سکتے ہیں، ضرورت ہے کہ صنعتی زونز کو رہائشی علاقوں سے الگ کیا جائے، مزدوروں کے لیے حفاظتی لباس اور شاور سہولیات فراہم کی جائیں، اور پانی و خوراک کی جانچ کی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔

حکومتی اقدامات، ماہرین کی آراء اور مستقبل کی حکمت عملی
پاکستانی حکومت نے اس مسئلے کو قومی ترجیح قرار دیا ہے اور یونیسف کے ساتھ مل کر نگرانی، قانون سازی اور صحت پروگراموں کو مضبوط کرنے کا عزم کیا ہے، حطار میں 77 بچوں کے نمونوں میں سے شدید متاثرین کو علاج دیا گیا مگر یہ عارضی حل ہے، ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسرز اور ای پی اے کی ٹیمیں تحقیقات کر رہی ہیں، لیپ پاکستان اور دیگر ادارے پینٹ انڈسٹری میں سیسہ کم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں مگر دیگر شعبوں میں کام جاری ہے، پروفیسر ڈاکٹر ظفر فاطمی جیسے ماہرین کہتے ہیں کہ بغیر کیمیکل ٹیسٹ کے وجہ جاننا مشکل ہے اور سیسہ خون سے ہڈیوں میں چلا جاتا ہے جو علاج کو ناممکن بنا دیتا ہے، قومی ایکشن پلان میں صنعتی لیبر کالونیوں کو منتقل کرنے، باقاعدہ اسکریننگ اور آگاہی مہمات شامل ہیں، تاہم چیلنجز بہت ہیں جیسے غربت، عدم آگاہی اور وسائل کی کمی، بلوچستان کے کوئٹہ اور پنجاب کے لاہور سمیت دیگر علاقوں میں بھی اسی طرح کی رپورٹس موجود ہیں جو اسے قومی بحران بناتی ہیں، عالمی سطح پر یونیسف کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ سیسہ بچوں کی نشوونما کو روکتا ہے، انیمیا پیدا کرتا ہے اور مدافعتی نظام کمزور کرتا ہے، پاکستان میں 28.9 فیصد بچے غذائی کمی، 39.4 فیصد نشوونما میں رکاوٹ اور 55.7 فیصد خون کی کمی کا شکار ہیں جو سیسے سے منسلک ہیں، مستقبل کے لیے ضروری ہے کہ قوانین پر عملدرآمد ہو، صنعتوں میں جدید فلٹریشن سسٹم لگائے جائیں، عوام کو صاف پانی، محفوظ خوراک اور کاسمیٹکس کے بارے میں آگاہ کیا جائے، اور سکولوں میں صحت کی تعلیم شامل کی جائے، اگر فوری اقدامات نہ کیے گئے تو لاکھوں بچے معذور ہو کر رہ جائیں گے جو معاشرے پر بوجھ بنیں گے، یہ صرف صحت کا نہیں بلکہ تعلیم، معیشت اور انسانی حقوق کا مسئلہ ہے جس کا حل اجتماعی ذمہ داری ہے۔

آگاہی، روک تھام اور ایک محفوظ مستقبل کی جانب
بچوں کے خون میں سیسہ ایک ایسا زہر ہے جو خاموشی سے نسل کشی کر رہا ہے، پاکستان سمیت بلوچستان کے کوئٹہ، پنجاب کے لاہور اور دیگر صوبوں میں رپورٹس اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ صنعتی ترقی کے نام پر ہم اپنے بچوں کی قربانی دے رہے ہیں، عامر شہزاد جیسے والدین کی کہانیاں ہزاروں کی ہیں جو غربت میں جکڑے ہوئے ہیں اور نہ جانتے ہیں کہ ان کے بچوں کی بیماری کی اصل وجہ کیا ہے، ڈاکٹروں کی عدم سہولت، محدود تحقیق اور سست حکومتی ردعمل اسے مزید خطرناک بنا رہا ہے، مگر امید بھی ہے اگر ہم سب مل کر کام کریں، یونیسف کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے قومی پلان بنائیں، سیسہ والے تمام ذرائع پر پابندی لگائیں، پانی کی جانچ کریں، صنعتی فضلہ کا مناسب ڈسپوزل کریں، اور عوامی سطح پر مہمات چلائیں تاکہ ہر والدین جانے کہ صاف پانی، تازہ خوراک اور محفوظ ماحول بچوں کا حق ہے، حطار، کراچی، کوئٹہ اور لاہور کی رپورٹس ہمیں خبردار کر رہی ہیں کہ وقت کم ہے، اگر آج نہ اٹھے تو کل ہمارا مستقبل اندھیرا ہو جائے گا، سیسہ نہ صرف دماغ کھا رہا ہے بلکہ خوابوں کو بھی، لہٰذا تعلیم، صحت اور ماحولیات کے شعبوں میں سرمایہ کاری کر کے ہم ایک صحت مند، ذہین اور ترقی یافتہ پاکستان بنا سکتے ہیں جہاں بچے آزادانہ کھیل سکیں، پڑھ سکیں اور اپنے ملک کی خدمت کر سکیں، یہ ذمہ داری حکومت، صنعتکاروں، ماہرین، میڈیا اور عوام سب کی ہے تاکہ آنے والی نسلیں زہر سے پاک سانس لے سکیں۔

اقوام متحدہ کے یونیسف اور پاکستان کی وفاقی وزارت صحت کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے سات بڑے شہروں کے ہائی رسک صنعتی علاقوں میں 12 سے 36 ماہ کے تقریباً ہر دس میں سے چار بچوں کے خون میں سیسہ پایا گیا ہے

شیر دل خان

کم جونگ اُن کا لیدر جیکٹس، فر کا لباس اور بالوں کا سٹائل فیشن

شمالی کوریا کی ممکنہ جانشین کی تیاری اور کم جونگ اُن کی خاندانی اقتدار کی نئی فصل

کم جونگ انکی بیٹی جواے کے کپڑے شمالی کوریا کی ممکنہ جانشین کے بارے میں کیا بتاتے ہیں
کم جونگ اُن کی کم عمر بیٹی کم جواے کا ابھرتا ہوا فیشن نہ صرف عالمی توجہ کا مرکز بن چکا ہے

شمالی کوریا کی خفیہ اور سخت گیر سلطنت میں جہاں ہر تصویر، ہر تقریب اور ہر لباس کا انتخاب ریاست کی پروپیگنڈا مشینری کا حصہ ہوتا ہے، وہاں کم جونگ اُن کی کم عمر بیٹی کم جواے کا ابھرتا ہوا فیشن نہ صرف عالمی توجہ کا مرکز بن چکا ہے بلکہ تجزیہ کاروں کے مطابق یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے جو اسے ملک کی مستقبل کی رہنما کے طور پر تیار کرنے کی حکمت عملی کو ظاہر کرتا ہے۔ نومبر 2022 میں جب کم جونگ اُن کے ساتھ ان کی بیٹی کی پہلی سرکاری تصویر سامنے آئی تو دنیا حیران رہ گئی؛ اس وقت جواے کی عمر صرف نو برس بتائی گئی تھی اور وہ ایک بلند و بالا بیلسٹک میزائل کے سامنے اپنے والد کے ہمراہ چہل قدمی کرتی دکھائی دے رہی تھیں، ان کے جسم پر سادہ مگر نفیس سفید موٹی جیکٹ، کالی پتلون اور لمبے بال سلیقے سے پیچھے بندھے ہوئے تھے جو ان کی بچگانہ

معصومیت کو ایک سنجیدہ تاثر دے رہے تھے۔ اس تصویر نے نہ صرف خاندان کی تیسری نسل کو عوام کے سامنے لانے کا آغاز کیا بلکہ یہ بھی اشارہ دیا کہ شمالی کوریا کی حکمران خاندان کی جانشینی کی راہ ہموار کی جا رہی ہے، جہاں لباس، بالوں کا انداز اور مجموعی ظاہری شخصیت ریاست کی طاقت، نفاست اور مسلسل اقتدار کی علامت بن کر ابھر رہی ہے۔

جنوبی کوریا کی خفیہ ایجنسی کے مطابق کم جونگ اُن نے کم عمری کے باوجود بڑھتی ہوئی اہمیت کے باعث انھیں اپنا جانشین چن لیا ہے۔ جواے اب لگ بھگ 13 برس کی ہیں اور انھیں متعدد بار اپنے والد کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ وہ میزائل تجربات، فوجی پریڈز اور حتیٰ کہ بیرونِ ملک دوروں میں بھی اپنے والد کے ہمراہ نظر آتی ہیں۔

تاہم کچھ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اُن کا لیدر اور فر کا لباس اور نفاست سے بندھے اونچے بال بھی اس بات کی علامت ہیں کہ انھیں ملک کی سربراہی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ جو اے کے ملبوسات غالباً حکومت کے 'شعبہ پروپیگنڈا اینڈ ایجی ٹیشن' کی ہدایت پر منتخب کیے جاتے ہیں۔ کبھی وہ پرتکلف سوٹ اور سکرٹس میں نظر آتی ہیں، جو اُن کی والدہ ری سول جو کے لباس سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ سی جونگ انسٹیٹیوٹ کے نائب ڈائریکٹر چیونگ سونگ چانگ نے بتایا کہ 'چونکہ جواے ابھی بہت کم عمر ہیں، اس لیے ان کی عمر کو مستقبل کی رہنما کے طور پر چیلنج سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انھیں اپنی والدہ جیسے پرتکلف (فارمل) لباس پہنا کر اُن کی کم عمری کو چھپایا جا رہا ہے اور اس سے زیادہ سنجیدہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔' چیونگ کے مطابق 'کبھی کبھار وہ لیدر جیکٹس بھی پہنتی ہیں اور یہ انتخاب جہاں مضبوط شخصیت کا تاثر دیتا ہے وہیں اس میں پرتکلف انداز بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ کپڑے فوجی اڈوں جیسے 'سخت یا دشوار مقامات' کے دورے کے لیے موزوں سمجھے جاتے ہیں۔' تاہم اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جواے اکثر اپنے والد سے ملتے جلتے لباس میں نظر آتی ہیں، جو خود بھی سیاہ چمڑے کی جیکٹس اور ٹرینچ کوٹ پہننے کے شوقین ہیں۔'

گزشتہ نسلوں کے مقبول فیشن (image replication) کو اپنانا ایک ایسا حربہ ہے جسے شمالی کوریا کے رہنما اقتدار برقرار رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی مثال ہمیں کم آن جونگ کی قیادت کے ابتدائی دور سے ملتی ہیں جب کم جونگ اُن نے اپنے دادا کم اِل سنگ کی طرح لباس پہن کر اپنی قانونی حیثیت کو مضبوط کیا۔ ماہرین کے مطابق کم اِل سنگ نے شمالی کوریا کی بنیاد رکھی تھی اور 45 برس سے زیادہ عرصے تک اس کی قیادت کی، انھیں شمالی کوریا میں عملاً ایک دیوتا کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ چیونگ کہتے ہیں کہ 'شعبہ پروپیگنڈا اینڈ ایجی ٹیشن نے ایسے عوامل کو ترتیب دیا جس کے ذریعے کم اِل سنگ کے لیے احترام فطری طور پر کم جونگ اُن کو منتقل ہو گیا۔' ان کے مطابق 'کہا جاتا ہے کہ جب کم جونگ اُن پہلی بار منظرِ عام پر آئے تو شمالی کوریا کے رہائشی تو حیران تھے ہی تاہم جنوبی کوریا کے ماہرین اس لیے بھی حیران تھے کہ کم جونگ اُن پہلی نظر میں نوجوان کم اِل سنگ سے مشابہت رکھتے تھے۔'

'ایک جانشین کے طور پر نوجوان کم جونگ اُن کو تجربے کی کمی اور عمر کی وجہ سے چیلنجز کا سامنا تھا اور اسے صرف اس حقیقت کی بنیاد پر دور کیا جا سکتا تھا کہ وہ کم اِل سنگ سے مشابہ تھے۔ یہاں تک کہ شمالی کوریا کے لوگوں کے درمیان یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ کم اِل سنگ نے شاید دوبارہ جنم لے لیا۔' چیونگ کے مطابق جواے کا لباس بہت سی حکمت عملیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے مطابق 'جواے کی قانونی حیثیت مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی طرز کے ملبوسات پہن کر جواے اور ان کی والدہ ری سول جو ایک ایسا فرق ظاہر کرنے کی حکمتِ عملی دکھا رہی ہیں جو ان کے سماجی مقام کو عام لوگوں سے بنیادی طور پر مختلف دکھاتا ہے۔'

کم جونگ اُن کی شخصیت خود میں ایک پیچیدہ امتزاج ہے: ایک طرف وہ اپنے دادا کم اِل سنگ اور والد کم جونگ اِل کی وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے سخت گیر، خودمختار اور جوہری طاقت کے حامل رہنما کے طور پر جانے جاتے ہیں جو فوجی پریڈز، میزائل تجربات اور عوامی تقریبات میں ایک غالب، پراعتماد اور بعض اوقات دلکش انداز میں پیش آتے ہیں، تو دوسری طرف ان کی ذاتی زندگی اور خاندانی تصویر کشی میں ایک نرم، خاندانی اور مستقبل نواز پہلو بھی نمایاں کیا جاتا ہے۔ کم جونگ اُن کی شخصیت تجزیہ کاروں کے مطابق gregarious/outgoing اور controlling/dominant خصوصیات رکھتی ہے، جو انھیں سماجی طور پر فعال، پرجوش مگر کنٹرول کرنے والا لیڈر بناتی ہے۔ وہ مغربی ثقافت کے کچھ عناصر جیسے جینز یا جدید ٹیکنالوجی سے متاثر نظر آتے ہیں مگر اندرونِ ملک سخت کنٹرول برقرار رکھتے ہیں۔ ان کی بیٹی کے ساتھ ظاہری مماثلت، جیسے ایک جیسے لیدر جیکٹس پہننا، نہ صرف باپ بیٹی کے رشتے کو اجاگر کرتی ہے بلکہ یہ پیغام بھی دیتی ہے کہ اقتدار کی زنجیر مسلسل اور خاندانی ہے۔ جواے کا لباس اور بالوں کا سٹائل اسی حکمت عملی کا توسیع شدہ حصہ ہے جو کم جونگ اُن کی اپنی ابتدائی جانشینی کے وقت استعمال کی گئی

تھی، جب انہوں نے اپنے دادا کی طرز کے لباس اور ظاہری مماثلت کو اپنا کر اپنی قانونی حیثیت کو مضبوط کیا تھا۔ اس کے بعد سے جواے کی ہر عوامی موجودگی میں ان کا لباس زیادہ نفیس، بالوں کا انداز زیادہ نفاست والا اور مجموعی تصویر زیادہ بالغ ہوتی جا رہی ہے۔ ابتدائی تصاویر میں سادہ سفید جیکٹ اور پیچھے بندھے لمبے بالوں سے شروع ہونے والا یہ سفر اب پرتکلف سوٹس، سکرٹس، فر والے کوٹس، لیڈر جیکٹس اور "روسٹر" یا ہاف اپ ہاف ڈاؤن ہیئر سٹائل تک پہنچ چکا ہے جو ان کی والدہ ری سول جو اور خالہ کم یو جونگ سے ملتا جلتا ہے۔ جنوبی کوریا کی خفیہ ایجنسی کے مطابق جواے، جو اب تقریباً تیرہ برس کی ہیں، کو متعدد اہم مواقع پر والد کے ساتھ دیکھا گیا ہے جن میں میزائل تجربات، فوجی پریڈز، رہائشی علاقوں کی افتتاحی تقاریب اور حتیٰ کہ بیرونِ ملک دورے بھی شامل ہیں۔ ان کے لباس کا انتخاب غالباً حکومت کے شعبہ پروپیگنڈا اینڈ ایجی ٹیشن کی ہدایات پر ہوتا ہے، جو ان کی کم عمری کو چھپاتے ہوئے انہیں ایک سنجیدہ، بالغ اور قابل اعتماد جانشین کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، فارمل بلیزرز، سکرٹس اور مہنگے کوٹس ان کی والدہ کی طرز کو نقل کرتے ہیں جو انہیں معاشرے میں ایک الگ، اعلیٰ طبقے کی علامت بناتے ہیں جبکہ فوجی اڈوں یا سخت مقامات کے دوروں پر لیڈر جیکٹس پہن کر وہ والد کی طرح مضبوط، فیصلہ کن اور فوجی قیادت کی اہلیت کا تاثر دیتی ہیں۔

کم جونگ اُن کی شخصیت میں جو غلبہ، جرات اور پراسرار م ہے وہی ان کی بیٹی میں منتقل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کم جونگ اُن نہ صرف جوہری پروگرام کو آگے بڑھانے والے سخت گیر رہنما ہیں بلکہ وہ معاشی اصلاحات، جدید تعمیرات اور پروپیگنڈا کے ذریعے عوام میں اپنی مقبولیت کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔ ان کی بیٹی کے ساتھ مماثل لباس پہننا، جیسے ایک ہی سیاہ لیڈر جیکٹ میں فوجی پریڈ دیکھنا، یہ پیغام دیتا ہے کہ خاندان متحد ہے اور اقتدار کی منتقلی قدرتی اور ہموار ہوگی۔ تجزیہ کار چیونگ سونگ چانگ کے مطابق چونکہ جواے ابھی کم عمر ہیں، ان کی عمر کو چیلنج سمجھا جا سکتا ہے اس لیے انہیں والدہ جیسے فارمل لباس پہنا کر کم عمری کو چھپایا جاتا ہے اور زیادہ سنجیدہ تاثر دیا جاتا ہے۔ لیڈر جیکٹس کا انتخاب مضبوط شخصیت کا تاثر دیتا ہے جو فوجی اور دشوار مقامات کے لیے موزوں ہے مگر اس میں بھی نفاست موجود ہوتی ہے۔ یہ انتخاب جواے کو والد سے بصری طور پر جوڑتا ہے، جو خود سیاہ چمڑے کی جیکٹس اور ٹرینچ کوٹس کے شوقین ہیں۔

شمالی کوریا کی تاریخ میں فیشن اور ظاہری مماثلت اقتدار کو مضبوط کرنے کا طاقتور ہتھیار رہی ہے۔ کم اِل سنگ کی بنیاد رکھی گئی سلطنت میں انہیں دیوتا کی حیثیت دی جاتی ہے اور کم جونگ اُن نے اپنے ابتدائی دور میں ان کی طرز کا لباس اپنا کر احترام منتقل کیا۔ اب جواے کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ ان کے ملبوسات مغربی طرز کے ہونے کے باوجود ریاست کی اعلیٰ حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ عام شہریوں پر بیرونی ثقافت کی پابندیاں عائد ہیں۔ 2020 کے قانون کے تحت جینز، جدید ہیئر سٹائلز اور مغربی فیشن پر پابندی ہے مگر کم خاندان اس سے ماورا ہے۔ (باقی صفحہ 15 پر)

تجزیہ کاروں کے مطابق یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے جو اسے ملک کی مستقبل کی رہنما کے طور پر تیار کرنے کی حکمت عملی کو ظاہر کرتا ہے

مشرق
کہانی میگزین

انتخاب: ساجد خان
گرافکس: خرم شہزاد

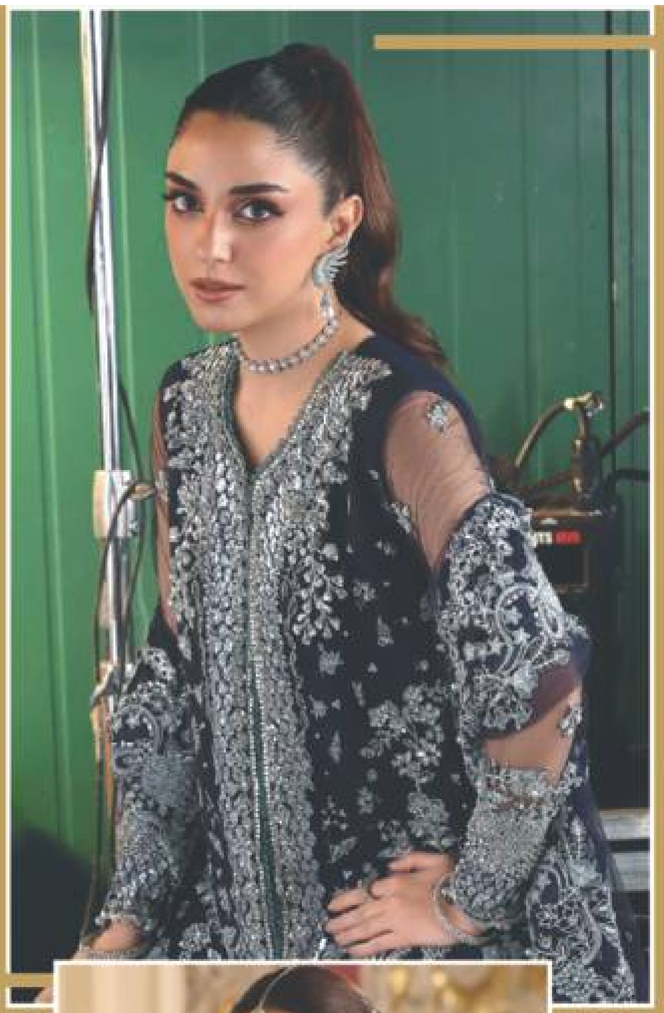

ایمان کامران

شادیوں کا سیزن اور خواتین کا بناؤ سنگھار: کڑھائی دار فیشن کی بہار

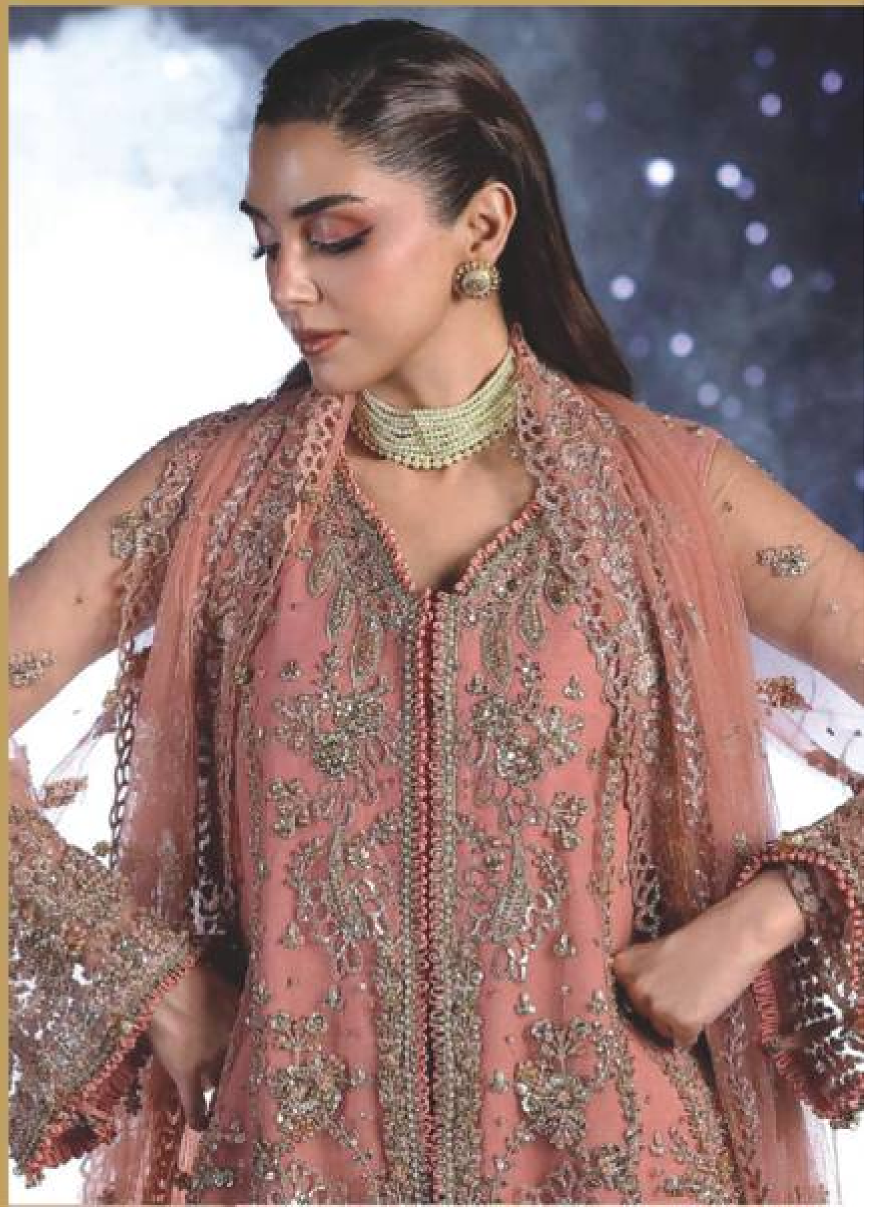

فیچر رپورٹ: ایمان کامران

شادیوں کا سیزن شروع ہوتے ہی خواتین کی تیاریوں میں ایک خاص چمک اور رنگینی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بنے سنورے ملبوسات، روایتی زیورات اور جدید میک اَپ ٹرینڈز کے امتزاج سے نہ صرف خواتین اپنی شخصیت نکھارتی ہیں بلکہ شادیوں کی تقریبات کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔

کڑھائی دار فیشن کی واپسی

گزشتہ برسوں میں جہاں مغربی طرز کے ملبوسات کا رجحان بڑھا تھا، وہیں اب دوبارہ کڑھائی دار فیشن نے دھوم مچا دی ہے۔ ہاتھ کی کڑھائی، زری کا کام، موتیوں اور نگینوں کی سج والے لباس شادی بیاہ کی تقریبات میں سب سے زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں۔ ''روایتی کڑھائی خواتین کو ہمیشہ ایک خاص وقار اور خوبصورتی دیتی ہے،'' ایک ڈریس ڈیزائنر کا کہنا ہے۔

رنگوں کا جادو

اس سیزن میں شوخ رنگوں کے ساتھ ہلکے اور پیسٹل شیڈز کا امتزاج بھی نظر آ رہا ہے۔ دلہنیں عموماً گہرے رنگوں جیسے سرخ، عنابی اور سنہری کو ترجیح دیتی ہیں، جبکہ برائیڈل پارٹی اور قریبی رشتہ دار خواتین ہلکے گلابی، فیروزی اور آسمانی رنگ کے ملبوسات زیب تن کر رہی ہیں۔

میک اَپ اور جیولری کے جدید انداز

جہاں لباس میں کڑھائی نمایاں ہے، وہیں میک اَپ کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔ ہلکا اور قدرتی لُک زیادہ پسند کیا جا رہا ہے تاکہ لباس اور جیولری کو نمایاں کیا جا سکے۔ زیورات میں پولکی سیٹ، کندن اور آکسڈائزڈ جیولری ٹرینڈ میں ہیں جو کڑھائی دار ملبوسات کے ساتھ خوب جچتے ہیں۔

روایتی اور جدید کا امتزاج

نئی نسل کی خواتین اپنی تیاری میں روایتی انداز کو جدید فیشن کے ساتھ جوڑ رہی ہیں۔ لمبے فراک، لہنگے اور شارٹ قمیض کے ساتھ پتلون یا شلوار کے امتزاج کو بہت مقبولیت مل رہی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک نیا اسٹائل ابھر رہا ہے بلکہ پرانے اور نئے ذوق کا حسین امتزاج بھی سامنے آ رہا ہے۔

مشرق
کہانی میگزین

انتخاب | ساجد خان
گرافکس | خرم شہزاد

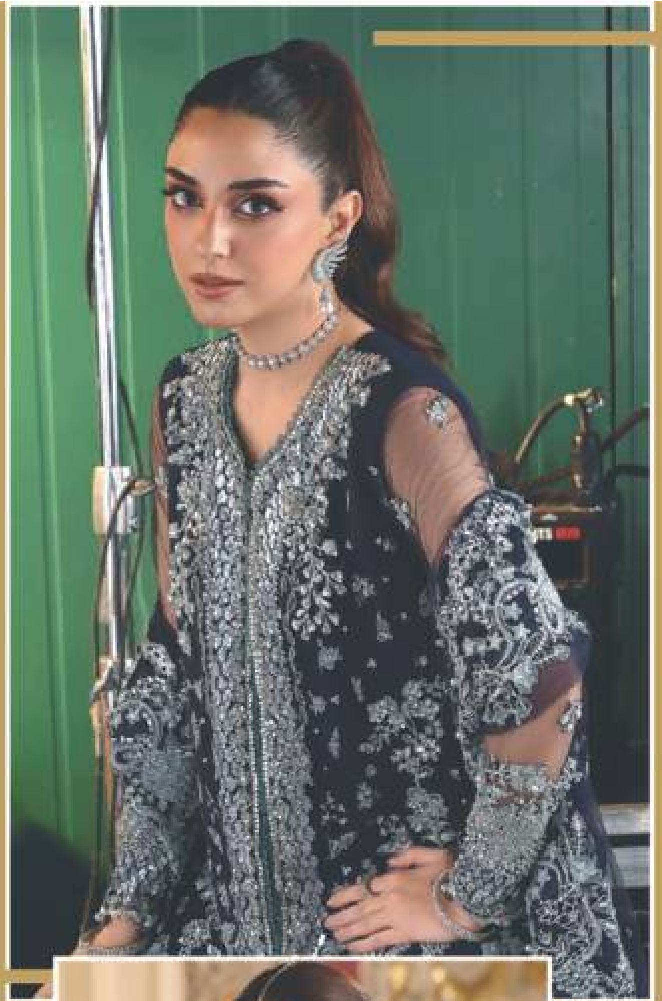

ایمان کامران

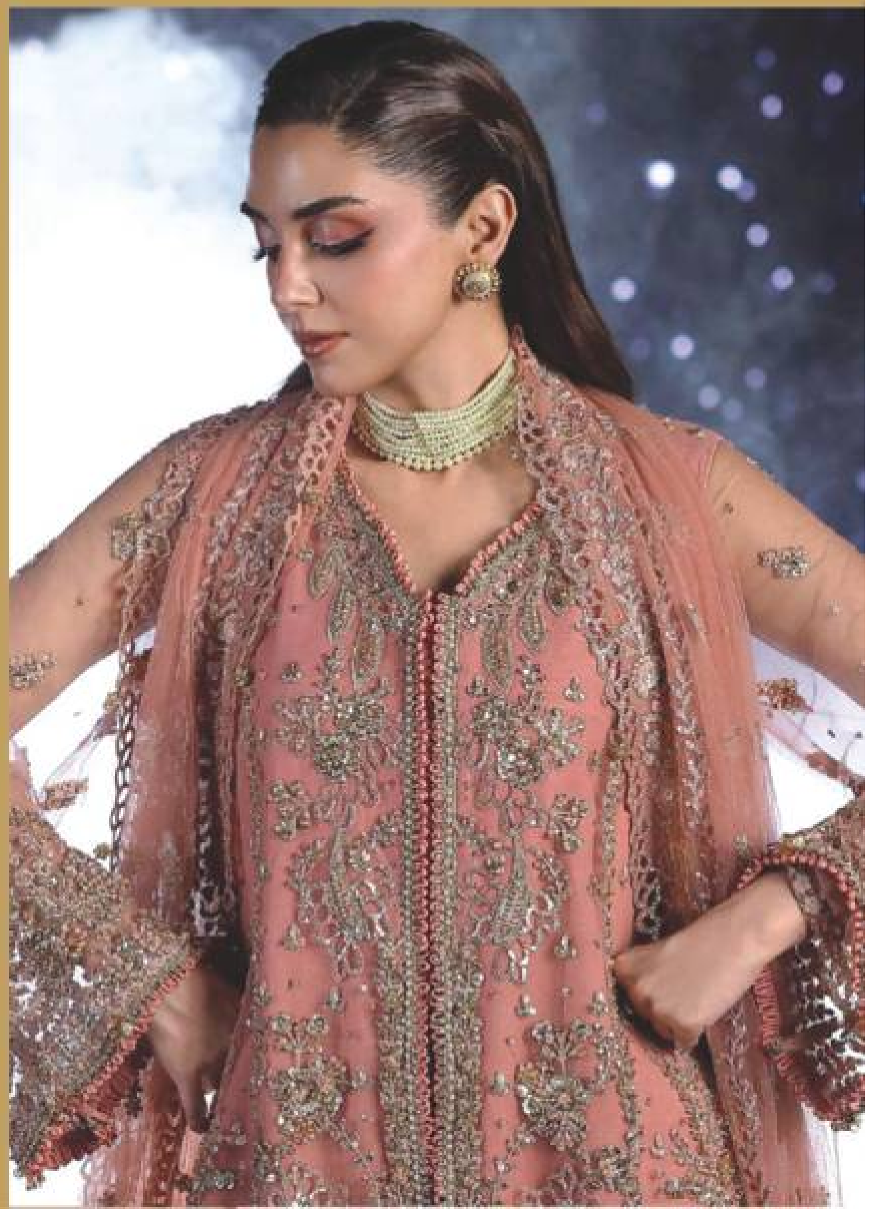

شادیوں کا سیزن اور خواتین کا بناؤ سنگھار: کڑھائی دار فیشن کی بہار

فیچر رپورٹ: ایمان کامران

شادیوں کا سیزن شروع ہوتے ہی خواتین کی تیاریوں میں ایک خاص چمک اور رنگینی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بنے سنورے ملبوسات، روایتی زیورات اور جدید میک اَپ ٹرینڈز کے امتزاج سے نہ صرف خواتین اپنی شخصیت نکھارتی ہیں بلکہ شادیوں کی تقریبات کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔

کڑھائی دار فیشن کی واپسی

گزشتہ برسوں میں جہاں مغربی طرز کے ملبوسات کا رجحان بڑھا تھا، وہیں اب دوبارہ کڑھائی دار فیشن نے دھوم مچا دی ہے۔ ہاتھ کی کڑھائی، زری کا کام، موتیوں اور نگینوں کی سج والے لباس شادی بیاہ کی تقریبات میں سب سے زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں۔ ''روایتی کڑھائی خواتین کو ہمیشہ ایک خاص وقار اور خوبصورتی دیتی ہے،'' ایک ڈریس ڈیزائنر کا کہنا ہے۔

رنگوں کا جادو

اس سیزن میں شوخ رنگوں کے ساتھ ہلکے اور پیسٹل شیڈز کا امتزاج بھی نظر آ رہا ہے۔ دلہنیں عموماً گہرے رنگوں جیسے سرخ، عنابی اور سنہری کو ترجیح دیتی ہیں، جبکہ برائیڈل پارٹی اور قریبی رشتہ دار خواتین ہلکے گلابی، فیروزی اور آسمانی رنگ کے ملبوسات زیب تن کر رہی ہیں۔

میک اَپ اور جیولری کے جدید انداز

جہاں لباس میں کڑھائی نمایاں ہے، وہیں میک اَپ کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔ ہلکا اور قدرتی لُک زیادہ پسند کیا جا رہا ہے تاکہ لباس اور جیولری کو نمایاں کیا جا سکے۔ زیورات میں پولکی سیٹ، کندن اور آکسڈائزڈ جیولری ٹرینڈ میں ہیں جو کڑھائی دار ملبوسات کے ساتھ خوب جچتے ہیں۔

روایتی اور جدید کا امتزاج

نئی نسل کی خواتین اپنی تیاری میں روایتی انداز کو جدید فیشن کے ساتھ جوڑ رہی ہیں۔ لمبے فراک، لہنگے اور شارٹ قمیض کے ساتھ پتلون یا شلوار کے امتزاج کو بہت مقبولیت مل رہی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک نیا اسٹائل ابھر رہا ہے بلکہ پرانے اور نئے ذوق کا حسین امتزاج بھی سامنے آ رہا ہے۔

کائنات میں ہم

تحریر: سلمان حبیب

قسط نمبر۔(13)

سو سال پرانی کہانی، جس میں پراسرار عمارت میں احمد صلاغی اپنی نوجوان پوتی اور خوبصورت شریر پوتے کے ساتھ آیا اور اس نے عمارت کے تمام دروازے بند کرائے۔ ایک ٹریفک حادثے میں اس کا بیٹا اور بہو ہلاک ہوگئے، پوتی اور پوتے کی ذمے داری احمد صلاغی پر آپڑی تھی۔

(گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

ڈاکٹر اس خطرناک لمحے کا منتظر تھا۔ وہ صرف ایک لمحے پہلے کار کا کنٹرول ریحان کے سپرد کرچکا تھا، کار دوسری طرف صحیح سلامت پہنچ گئی اور ڈاکٹر رچرڈ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے یقین تھا کہ منی بس کے ڈرائیور کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ حفاظتی تدبیر سوچ سکے۔

منی بس پوری رفتار سے کراسنگ کے قریب پہنچی، ڈرائیور ٹرین کو بھی دیکھ چکا تھا، کار کی بریک لائٹ کو جلتا ہوا دیکھ کر اس نے بریک لگائے، لیکن ریل کے عین کراسنگ کے قریب پہنچتے ہی کار گویا اڑتے ہوئے دوسری طرف پہنچ گئی لیکن ڈرائیور کے بریک لگا دینے کی غلطی کی اور اب منی بس کے لئے ایک خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی۔

ڈاکٹر رچرڈ لیموس کو منی بس کے ڈرائیور سے جس غلطی کی توقع تھی ڈرائیور وہی غلطی کرچکا تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی رچرڈ کو زریچہ سے بھی ایک غلطی کی توقع تھی پھر زریچہ سے بھی وہ غلطی سرزد ہوگئی۔

منی بس بریک لگانے کی وجہ سے کسی بھی لمحے گھومتی ہوئی ٹریب سے ٹکرانے والی تھی، ڈرائیور نے آنکھیں بند کرلیں اور زندگی اور موت کے درمیان حائل لمحوں کی گنتی کرنے لگا۔

ادھر زریچہ سے واقعی بھیانک غلطی ہوچکی تھی، اسے اندازہ تھا کہ منی بس بھی کار کے پیچھے کراسنگ سے گزر جائے گی لیکن ڈرائیور نے عین وقت پر بریک لگا کر صورت حال کو انتہائی خوفناک بنا دیا تھا، فطری طور پر اس نے اپنی قوت ٹرین پر ہی صرف کی تھی اور یہی زریچہ کی غلطی تھی، اس کی بے انتہا قوت خرچ کرنے کے باوجود بھی وہ ٹریب کو ہٹانے میں ناکام ہوگئی۔

(آگے پڑھیے)

پھر اچانک ہی اس نے اپنی تمام تر قوت کو منی بس پر صرف کردیا۔ دوسرے ہی لمحے منی بس کسی ہیلی کاپٹر کی طرح گھومتی ہوئی فضاء میں بلند ہوگئی۔ زریچہ کی یہ قوت منی بس کے وزن سے پچاس گنا زیادہ تھی، ڈرائیور جو زندگی اور موت کے درمیان حائل لمحوں کو گن رہا تھا، ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ پیچھے سے لڑکوں کی آوازیں ابھری تھیں۔

’’ارے واہ، ہم تو اڑ رہے ہیں، واقعی یمن کی تاریخ میں اس طرح کے ناقابل واقعات کبھی نہیں پیش آئے۔‘‘

جدید دور میں سائنس نے خلاء سیاروں اور نجانے کون کونسی چیزوں پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن یہ مناظر ابھی زمین تک اس انداز میں نہیں پہنچے تھے جو اس وقت پہنچے ہوئے تھے، لیکن بہت کم لوگ ان مناظر سے آشنا ہوئے تھے۔ میوزیم میں ہونے والا واقعہ پہلا واقعہ تھا جو اس انداز میں پیش آرہا تھا۔

’’یہ لڑکی اپنے بھائی سے زیادہ چالاک ہے۔‘‘ پیری جواب تک سانس روکے خاموش بیٹھی ہوئی تھی منی بس کو ہموار لینڈنگ کرتے دیکھ کر بولی۔

’’آہ.. اس طرح تو یہ لڑکی تو ہمارے ٹھکانے تک پہنچ جائے گی۔‘‘

رچرڈ لیموس کو یوں لگا جیسے پیری نے اسے گالی دی ہو، وہ پہلے ہی زریچہ کے ہاتھوں لگاتار شکستوں سے تلملا رہا تھا۔ وہ شدید غصے بھری کیفیت میں دہاڑا۔

’’تو اپنی چونچ بند نہیں رکھے گی بڑھیا، بار بار میری سوچوں میں مداخلت کرتی ہے، سب کچھ تیری وجہ سے تو ہوا ہے۔‘‘

پیری اس کے لہجے کی غراہٹ پر خاموش ہوگئی۔ ڈاکٹر اب خطرناک منصوبہ بندی کررہا تھا۔ اس وقت یہ کار پیری ہاؤس جانے والے پہاڑی راستے پر جارہی تھی، اس کے بلندی پر پہنچتے ہی ڈاکٹر نے دانیال کو گاڑی روکنے کا حکم دیا اور خوفناک لہجے میں ریحان سے مخاطب ہوا۔

’’ریحان اپنی گاڑی کے شیشوں کا ایسا زاویہ بناؤ کہ اس کے شیشوں سے ٹکرانے والی سورج کی شعاعیں منی بس کے ڈرائیور پر براہ راست پڑیں اور اسے اندھا کردیں۔‘‘

ڈاکٹر کے خاموش ہوتے ہی کار ایک مخصوص زاویے سے مڑ گئی، منی بس کی رفتار اس وقت بھی ناقابل یقین حد تک تیز تھی، پھر جیسے ہی منی بس کے ڈرائیور نے پہاڑی راستے پر بس چڑھائی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے چاروں لڑکوں نے بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ خود زریچہ بھی ایک لمحے کے لئے بدحواس ہوگئی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے سورج کو منی بس کی ونڈ اسکرین سے ٹکرا دیا ہو۔

منی بس سڑک کے کنارے لگی ہوئی ریلنگ کو توڑتی ہوئی دوسری طرف جارہی تھی اور ڈرائیور کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ ابھی کچھ لمحوں کے بعد ویگن کی رفتار اسے کسی ہموار چٹان پر پٹخے گی اور وہ ہموار چٹان پر سے قلابازیاں کھاتی ہوئی سینکڑوں فٹ نیچے دوسری سڑک پر جا گرے گی۔

اس مرتبہ برابر بیٹھی ہوئی لڑکی حیرت انگیز لڑکی بھی ان سب کو مرنے سے نہیں بچا سکے گی۔ منی بس کے ریلنگ توڑتے ہی ہوا میں قلابازی کھائی تھی، لیکن عمودی چٹان پر اس کے چاروں پہیئے ہی جا کر ٹکرائے تھے اور ڈرائیور نے نہایت ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بریک لگا دیا تھا، مگر زمین کی بے پناہ کشش ثقل منی بس کو اپنی جانب گھسیٹ رہی تھی۔

بریک لگ رہنے کے باوجود منی بس آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سب سے پہلے ڈرائیور نے منی بس سے کود کر جان بچائی تھی اور کی دیکھا دیکھی چاروں لڑکے بھی نیچے کود گئے تھے ان پانچوں کو محفوظ دیکھ کر زریچہ نے بھی اپنی توانائی کو ضائع کرنا مناسب خیال نہیں کیا اور اڑتی ہوئی منی بس سے باہر نکل آئی۔

منی بس چند لمحوں تک چٹان کے عمودی کناروں پر گھومتی رہی لمحہ لمحہ وہ آگے کی طرف کھسک رہی تھی، وہ آدھی چٹان پر تھی اور آدھی فضاء میں جھول رہی تھی۔ آخرکار منی بس نے ہچکولا کھایا اور فضاء میں پرواز کرنے لگی۔ لیکن اس مرتبہ منی بس کی پرواز بغیر کسی کنٹرول کے تھی۔ جیسے کسی ہوائی جہاز کا انجن ناکارہ ہوجائے اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین سے جا ٹکرائے، منی بس کی سینکڑوں فٹ نیچے سڑک پر گرنے کے دھماکے کی آواز اتنی تیز نہیں تھی جتنی ڈرائیور کی چیخ کی، شاید ڈرائیور کو اس منی بس کے نقصان کا شدید صدمہ تھا۔

’’یہ ایک ہی گھنٹے میں کیا سے کیا ہوگیا؟‘‘

وہ ڈرائیور خود تو ایک غریب آدمی تھا بس ان سڑکوں سے شناسائی اسے لے ڈوبی تھی، کاش اس احمق لڑکے سے اس کی کبھی ملاقات نہ ہوئی ہوتی، وہ چند لمحے تک صدمے سے بے حال ہوکر سسکیاں لیتا رہا۔ آخرکار اس کی سسکیاں ختم ہوگئیں۔ اس نے دل کو سمجھایا کہ منی بس کا نقصان تو خیر وہ زندگی بھر پورا نہیں کرپائے گا، اب جو ہونا ہے وہ تو ہوکر ہی رہے گا، وہ ابھی کھڑا ہوا ہی تھا کہ ایک بار پھر اس کے حلق سے چیخ نکل گئی، وہ چاروں لڑکے اور وہ لڑکی اچانک غائب ہوگئے تھے اور دور دور تک ان کا نام و نشان نہیں تھا۔

’’ارے.. یہ کیا ہوا۔ یہ کہاں جا کر مر گئے اب تو یہی کہوں گا کہ خدا انہیں غارت کرے، آہ کاش میں اس منی بس کے ساتھ ہی نیچے جا گرتا اور مستقبل کا ہر خوف ختم ہوجاتا۔‘‘ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

☆

کمرے کا واحد لیمپ زریچہ نے ان چاروں کے کمرے سے نکل جانے کے بعد گل کردیا تھا، وہ بستر پر لیٹ کر دن بھر میں پیش آنے والے واقعات کا تجزیہ کرتی رہی تھی، اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اس کا بھائی ریحان خطرناک لوگوں کے قبضے میں چلا گیا ہے، میوزیم میں کی جانے والی ڈکیتی تو صرف ابتداء تھی جو زریچہ کی بروقت مداخلت سے ناکام ہوگئی تھی۔ یقیناً ان لوگوں نے ریحان کی یادداشت بھی صاف کردی تھی۔

زریچہ کو وہ لمحات بھی یاد تھے جب ریحان اسے شناخت نہیں کرپا رہا تھا، وہ مختلف پہلوؤں پر غور کررہی تھی۔ اصولی طور پر تو اسے اب ہر قیمت پر اپنے دادا ابو احمد صلاغی سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا لیکن یہ ایک ٹھوس معاہدہ تھا۔ بلکہ احمد صلاغی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اب جو وہ دونوں کو روانہ کررہا ہے وہ اس کی زندگی میں سائنسی حدود کا سنگ میل ہے اور انہوں نے ایک لمحہ بھی کسی بات کی وعدہ خلافی کی تو وہ قیامت تک کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے اور دوبارہ کبھی نہیں مل سکیں گے۔

اس نے اپنے پوتے اور پوتی سے یہ بات کہہ دی تھی کہ سو سال بعد کی سائنسی دنیا کو شناخت کرنے میں واقعات چاہے کسی بھی شکل میں پیش آئیں کچھ خاص اصولوں کی ضرورت ہے اور ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ وہ دونوں جس مہم پر بھی نکلیں اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس کی تکمیل کریں، بدترین حالات میں بھی یہ نہ سوچیں کہ انہیں دادا ابو سے رابطہ قائم کرنا ہے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ان واقعات سے احمد صلاغی کو آگاہ کیا جائے تو بات پھر وہی ریحان کی آجاتی ہے۔

کیا اسے نشہ آور ادویات دی گئی تھیں، وہ کیا چیز تھی جس پر بوڑھی عورت ریحان کو مخاطب کررہی تھی۔ کیا وہی چیز ریحان کی ذہنی تبدیلی کی ذمے دار تھی۔

اس کے ذہن میں بہت سے سوالات تھے لیکن وہ کوشش کے باوجود اپنے کسی سوال کا جواب تلاش نہیں کرپا رہی تھی، ان سوالوں کے جواب تو صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو ریحان کے ساتھ تھے، زریچہ نے کوشش تو کی تھی کہ ان کے ٹھکانوں تک پہنچ جائے۔ اب اندھیروں میں خود کو تھکانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب تو صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کے یہ چاروں دوست کل صبح تک اس کار کے مالک کا نام پتہ رجسٹریشن آفس سے ڈھونڈ نکالیں۔ اس وقت وہ خود کو بے پناہ تھکا ہوا محسوس کررہی تھی، آج اس نے بے پناہ ذہنی انرجی خرچ کی تھی۔

’’اب مجھے سو جانا چاہئے کل صبح کی امید پر۔‘‘ اس نے کہا اور خود کو سونے کی ہدایت کرتے ہوئے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

ابھی اس کا ذہن پوری طرح نیند میں نہیں ڈوبا تھا کہ اس کے جسم نے ایک شدید جھٹکا لیا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو، دوسرے جھٹکے کو محسوس کرتے ہی وہ بجلی کی سی پھرتی سے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

’’کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں؟‘‘

اس نے خود سے سوال کیا، لیکن وہی آواز دوبارہ سنائی دی، کوئی اس کا نام لے کر اسے پکار رہا تھا۔

’’زریچہ زریچہ.. زریچہ...‘‘

اب یہ پکار مسلسل سنائی دینے لگی تھی، آواز کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی اسے مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ وہ بستر سے اچھل کر نیچے اتری اور دونوں ہاتھوں سے کانوں کو بند کرلیا، ایسا کرنے سے اسے پکارنے والے کا سلسلہ وقتی طور پر بند ہوتا محسوس ہوا۔

’’مجھے ایک گلاس دودھ پی لینا چاہئے شاید اس سے میرے اعصاب کو سکون مل جائے اور مجھے نیند آجائے۔‘‘

وہ اندھیرے میں چلتی ہوئی میز تک گئی اور دودھ کا گلاس اٹھا کر جو وہاں موجود تھا پینے لگی، ابھی اس نے پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ وہی آواز اس کی سماعت سے دوبارہ ٹکرائی۔

’’زریچہ زریچہ...‘‘

اس وقت وہی گہری نیند میں نہیں تھی اس مرتبہ تو یہ آواز ذہن کے پردے پر جیسے ریوالور کی گولی کی طرح جا کر ٹکرائی تھی، دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا، اب کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی، یہ آواز سو فیصدی ریحان کی تھی جو ہوا کے دوش پر اس تک پہنچ رہی تھی۔

ان لوگوں کے ذہنی رابطے جو وائرلیس تھے اور ویوز کے ذریعے ایک دوسرے تک پہنچ رہے تھے۔ یقیناً ریحان ان سے ذہنی رابطے کی کوشش کررہا تھا۔ زریچہ اسی حالت میں فرش پر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کرکے آواز کو زیادہ واضح سننے کے لئے ذہنی یکسوئی کرنے لگی۔ اب وہ معمولی سے معمولی آواز بھی سن سکتی تھی۔ صرف تین سیکنڈ کے بعد اس کے ذہن نے ریحان کا پیغام وصول کیا۔

’’زریچہ... میں یہاں ہوں، تم میری آواز کی لہروں کو محسوس کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔‘‘

زریچہ بے اختیار ہوگئی، اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، اس کا بھائی اسے پکار رہا تھا، ٹیلی پیتھی سگنل کے سہارے وہ پہلے بھی اس قسم کے کھیل کھیلتے رہتے تھے۔ وہ تین تین چار چار سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اس عمارت سے باہر نکلی تھی۔ جہاں اس کا قیام تھا اس کے لئے ہر طرح کا بندوبست یہ چاروں دوست کررہے تھے۔ جنہیں قدرت نے اس کے لئے نرم کردیا تھا، نجانے انہوں نے اس سے کیا رشتے قائم کئے تھے، لیکن یہ رشتے بڑے مضبوط تھے ان چاروں نے جیسے اپنے آپ کو اس کے لئے مخصوص کردیا تھا۔ (جاری ہے)

شام کے سائے تلے

تحریر: بسمیٰ راحت

(قسط نمبر 98)

(گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

''ہاں اس بات کے امکانات تو ہیں، افسوس میں نے اس پر غور نہیں کیا، لیکن کیا آپ لوگ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ ردا سے کس طرح منسلک ہیں۔''
''ردا ہمارے ساتھ رہتی ہے ہمارے گھر میں وہ ہم لوگوں کے لئے ایک محترم شخصیت ہے۔ ہم سب اس سے محبت کرتے ہیں وہ اپنی مرضی سے ملازمت کرتی ہے جبکہ اسکے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، ہم اتنے بے حیثیت بھی نہیں کہ ردا اور اس کے بچے کو پرورش نہ کرسیں، لیکن ہم اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچنے دینا چاہتے، آپ یقین کیجئے ثاقب صاحب، ردا جب سے ہمارے درمیان آئی ہے، ہم نے اسے بھرپور اعتماد دیا ہے، لیکن اس کے بارے میں بہت سی باتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں ہیں، ہم آپ سے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں، اور اس کی وجہ صرف ہمارے محبت ہے، ردا سے ہمارا انس ہے، ہم اس کے چہرے پر زندگی کی مسکراہٹیں واپس لانے کے خواہاں ہیں، اگر آپ ردا سے کوئی محبت کا رشتہ رکھتے ہیں تو میرے خیال میں آپ کو ہماری مدد کرنی چاہیئے۔ ردا سے آپ کا کیا رابطہ ہے، ردا کون ہے، اور اس کے اہل خاندان کہاں ہیں اس بارے میں ثاقب صاحب اگر آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہوں تو آپ کو کرنی چاہیئے، اس کا تعلق ردا ہی کی خوشیوں سے ہے۔''

(آگے پڑھیئے)

تفسیر شہاب کا جگری دوست تھا، اگر اسے اسٹیشن پر رسیو نہ کیا جاتا تو بگڑ جاتا، اس لئے نجانے کتنے عرصے کے بعد شہاب نے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا تھا۔ سیاہ چادر گیٹ سے نکلی، ٹکٹ چیکر جگہ چھوڑ چکا تھا اس لئے گیٹ خالی پڑا تھا

ثاقب سنجیدہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھتا رہا تھا، شہاب نے یہی مناسب سمجھا کہ بات کو زیادہ گھمانے پھرانے کے بجائے ثاقب سے براہ راست ہی گفتگو کی جائے لیکن انہیں اس بات کی امید نہیں تھی کہ ثاقب اس طرح انہیں چوٹ دے دے گا، ایسی ہی چوٹ تو اس نے رشید کو بھی دی تھی اور تین سو روپے مار دیئے تھے، ثاقب نے چند لمحات کی خاموشی کے بعد پوچھا۔
''آپ کہاں رہتے ہیں؟''
جواب میں ثاقب نے احسان صاحب کی کوٹھی کا پتہ بتادیا۔ اور ثاقب گردن ہلاتا ہوا بولا۔
''ردا میرے لئے صرف ایک شناسا کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے علاوہ زندگی کے کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں دوستو جنہیں زبان کی گرفت سے آزاد کرنا نجانے کس کس کے حق میں برا ہوتا ہے میرا تجربہ یہی کہتا ہے مجھ سے
راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ نہیں لیکن محرم کا انتخاب بڑا مشکل کام ہے، میں اس شعر پر پورا پورا اعتماد رکھتا ہوں۔''
''گویا ثاقب صاحب آپ ردا کے بارے میں کچھ بتانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''
''جب ردا نے آپ لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تو میں اس سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھلا آپ کو کیا بتا سکتا ہوں، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اس پر اپنے احسانات کے صلے میں اس سے اس کے بارے میں پوچھیں، وہی سب کچھ بتادے گی آپ کو، خدا حافظ۔'' ثاقب اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ شہاب اور رشید دونوں بھونچکے سے رہ گئے تھے، پھر شہاب نے غصیلے لہجے میں کہا۔
''ثاقب صاحب، آپ بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ کوشش آپ کے حق میں خطرناک ہوگی۔''
''بھائی مست مولا ہیں اس دنیا کو اتنا دیکھ چکے ہیں کہ اب مزید دیکھنے کی آرزو باقی نہیں رہی ہے، ناراض ہو جاؤ اور یہ ناراضگی ناقابل برداشت ہو جائے تو ہماری مشکل آسان کر دینا، دعا دیں گے خدا حافظ۔'' ثاقب آہستہ قدموں سے باہر نکل گیا۔
شہاب اور رشید ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔ پھر شہاب نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''جائے گا کہاں کمبخت بچ کر کہاں جائے گا، بہت چالاک بنتا ہے۔ بہت کچھ سمجھتا ہے اپنے آپ کو، جاؤ رشید اس کے پیچھے جاؤ، ہر اس جگہ اس کا تعاقب کرو جہاں کا یہ رخ کرے، جاؤ، رات کو تم سے ملاقات ہوگی۔'' رشید اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔
ثناء نے ندرت کو اس بات کے لئے منع کر دیا تھا کہ جمن کو اختر سے نہ بھڑائے، اس میں اس کی بدنامی بھی ہو سکتی تھی، لیکن اتفاق سے ندرت کو جمن سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا جبکہ جمن آتش رقابت میں جھلس رہا تھا، ندرت نے اسے جو کچھ بتایا تھا سمندر کے کنارے جمن اسے برداشت نہیں کر سکا تھا، ابھی تک اسے اختر سے کسی تنہا جگہ ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا، لیکن جہاں بھی اختر اس کی نظر پڑتا۔ جمن کی آنکھوں میں نفرت کے آثار ابھر آتے تھے اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا اتار رہتا تھا عموماً جمن کہتا تھا۔
''بیٹے جمن ہے میرا نام، میری محبت پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتے، میں تمہیں فنا کے پانی میں ڈھکیل دوں گا۔ ابھی جمن کو جانتے نہیں ہو۔'' اسی طرح کی مختلف باتیں آہستہ آہستہ کر کے وہ اپنے دل کی بھڑاس کم کر لیتا تھا۔ لیکن آج اتفاقیہ طور پر اس وقت جب اختر پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا، جمن کا اس سے سامنا ہو گیا اور جمن ادھر ادھر دیکھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اختر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، پھر بولا۔
''جی فرمایئے۔''
''جمن ہے اپنا نام۔''
''جمعہ کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔''
''کیا؟'' جمن اسے گھورتا ہوا بولا۔
''کوئی بات نہیں ہے۔ بہر طور آپ جمن ہیں۔''
''ہاں جی جمن ہوں اور کالے ناگ سے زیادہ خطرناک ہوں۔''
''اچھا مگر رنگ تو آپ کا اچھا خاصا صاف ہے۔''
''رنگ سے کیا ہوتا ہے، مجھ سے دشمنی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''
''اوہ.. میں... میں مہنگی چیزوں سے بچتا ہوں۔ چنانچہ آپ سے دشمنی مول لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ویسے آپ کو یہ غلط فہمی کیسے ہو گئی کہ میں آپ سے دشمنی چاہتا ہوں جمن صاحب''
''باتوں میں اڑانے کی کوشش مت کرو ہم نے بھی بہت عرصے کبوتر بازی کی ہے۔''
''اماں واللہ.. کیا واقعی لقا کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''
''کس کے بارے میں؟''
''کبوتر کی ایک قسم ہوتی ہے۔''
''قسم اللہ کی کبوتر وبوتر کی بات نہیں کرنے آئے ہم آپ سے، ہم سے دشمنی چھوڑ دو بھائی صاحب، ورنہ برا حشر ہو جائے گا، باورچی ہیں ہم یہاں، پیٹ کا ستیاناس مار کر رکھ دیں گے، ہر کھانے میں جمال گوٹا ہوگا۔''
''میاں تم تو واقعی کلاسیکل آدمی ہو، مگر ہوا کیا منطق کی رو سے ہمیں بتاؤ تو سہی۔''
''کک.. کیا کہا منطق گالی دے رہے ہو''
''اوہ جمن میاں کیا بات ہے، باورچی خانے میں گرمی زیادہ تھی کچھ؟''
''نہیں جی، باورچی خانہ تو بہت کشادہ ہے، بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں اس میں، مگر آپ سمندر کے کنارے اللہ رکھی سے کیا کہہ رہے تھے؟''
''کس سے؟'' اختر نے آنکھیں پھاڑ کر جمن کو دیکھا۔
''بہت پرانی چل رہی ہے ہماری اس سے اور جیون میں، میرا مطلب ہے زندگی میں پہلا عشق کیا ہے ہم نے، بڑے وظیفے کئے ہیں جی، پیاز کے چھلکے بھی ڈالے، سب کچھ کر لیا ہے بس یوں سمجھیں اللہ نے چاہا تو بات بن جائے گی، مگر آپ بیچ میں کیوں کود رہے ہیں؟''
''بھائی جمن آپ باورچی ہیں نا اور آپ میرا پیٹ خراب کر دیں گے۔ لیکن میرے خیال میں آپ کی یہ دشمنی کس غلط فہمی کی بنیاد پر ہے، میں کسی اللہ رکھی کو نہیں جانتا، آپ کی اللہ رکھی آپ کو مبارک پتہ نہیں آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہو گئی۔''
''باہر سے آئے ہو نا جی، ہمیں باتوں میں چرانے کی کوشش کر رہے ہو، اللہ رکھی نے خود ہم سے کہا تھا اور وہ جھوٹ نہیں بولتی، ہماری محبت پر ڈاکہ مت ڈالو مہربان شاہ، دیکھو ہمیں بھی جینے دو، جینے دو ہمیں بھی، ورنہ تمہاری اور اپنی جان ایک کروا لیں گے، آئندہ اگر تم نے اللہ رکھی کو شستہ بھری نظر سے دیکھا تو یہ سمجھ لو یا تو ہم خودکشی کر لیں گے یا تمہیں مار دیں گے۔''
''ارے ارے جمن میاں ایسا مت کرنا، ویسے ایک کام کرو دوست... ذرا مجھے اس اللہ رکھی کی زیارت کرا دو، کیا اس نے تم سے شکایت کی ہے''
''تو اور کیا ہم پاگل تو نہیں ہیں اللہ رکھی کہہ رہی تھی کہ اپنی محبت کی حفاظت کرو اور ہم اپنے عشق کی حفاظت کریں گے، تیر تلوار بھی جو بھی چلانی پڑی چلا لیں گے، تم ہم سے ڈبل لڑ لو کیا سمجھے۔''
''کیا لڑلوں بھائی صاحب؟'' اختر نے متعجبانہ انداز میں کہا۔
''ڈبل.. ڈبل، ایک پستول تمہاری ٹانگوں میں ہو ایک ہماری ٹانگوں میں۔''
''پستول ٹانگوں میں۔''
''ایں ہاں وہی جو کمر سے لٹکا ہوتا ہے، ویوا زپاٹا کی طرح یا پھر وہ گرینگو گریگو۔''
''اچھا اچھا آپ ڈوئل لڑنے کو کہہ رہے ہیں مجھ سے۔'' اختر نے دلچسپ نظروں سے جمن کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ڈوئل کہہ لو یا ڈبل کہہ لو، بات تو ایک ہی ہوتی ہے نا، ہمیں انگریزی وںگریزی نہیں آتی، باورچی ہیں ہم تو۔'' جمن مسمسی سی صورت بنا کر بولا
''تو پھر حضور باورچی خانے جایئے، مجھ سے ڈبل لڑ کر کیا کریں گے آپ اور پھر پستول آپ کے بس کی بات نہیں ہے، اگر آپ واقعی ڈبل لڑ کر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دو کفگیر لے کر میدان میں آجایئے، چمٹوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔''
''اڑا لیجئے آپ ہمارا مذاق۔ کچھ بھی کر لیجئے آپ بڑے آدمی ہیں بابو جی، مگر ہم چھوٹے آدمیوں کو بھی جینے کا حق ہے، وہ جو کہتے ہیں نا کہ پھونکوں سے یہ چراغ نہیں بجھ سکتا۔''
''بھائی میری سمجھ میں شروع ہی سے کچھ نہیں آیا۔'' اختر نے کہا اور دفعتہً جمن کو اپنے عقب میں بلی کی سی آواز سنائی دی، وہ چونک کر اپنے پیروں کے پاس دیکھنے لگا، لیکن پلٹا ہی تھا کہ دفعتہً ہی کوئی کتا زور سے بھونکا اور یوں محسوس ہوا جیسے اس سے لپٹ جائے گا، جمن اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔
''کیا ہو گیا جمن میاں کیا ہو گیا؟''
''کک.. کتا... بلی....''
''سبحان اللہ.. بلی اور چوہے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟'' اختر نے کہا اور اسی وقت دور سے جمن کی ماں کی آواز سنائی دی۔
''جمن او جمن ادھر آ، کمبخت مارے کیا کر رہا ہے دو گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں تیرا۔''
''آ رہا ہوں اماں، آ رہا ہوں۔ جمن نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور پھر اختر کی طرف سینہ تان کر بولا۔ ''سمجھ لینا جی۔''
''سمجھ لیں گے بھائی سمجھ لیں گے، مگر بات سنو، ایک دفعہ لڑکی کی صورت تو دکھا دو، ہم نے غلط فہمی میں ایسا کیا ہو، اگر تمہاری اللہ رکھی تم سے محبت کرتی ہے تو ہم قسم کھاتے ہیں کہ کبھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔'' جمن اختر کی صورت دیکھنے لگا اور پھر بولا۔
''وعدہ کرتے ہو جی؟''
''بالکل وعدہ جمن، کب دکھا رہے ہو اللہ رکھی کو جو بقول تمہارے۔'' اختر نے ہنسی دبائی تھی۔
''تین نمبر میں تو رہتی ہے، ہمارے کوارٹر کے بالکل برابر بابو جی، ہم تمہارا بڑا احسان رکھیں گے۔'' جمن نے اسی انداز میں کہا۔
''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ پہلے اس سے ملاقات کرا دو ایک بار، اس کے بعد میں تمہیں مطمئن کر دوں گا۔'' اختر نے کہا اور جمن شکریہ ادا کر کے واپس چلا گیا، اختر مضحکہ خیز نگاہوں سے جمن کو دیکھ رہا تھا، اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا لیکن وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ پائیں باغ کے اس گوشے میں جہاں وہ چہل قدمی کر رہا ہے، ردا بھی موجود ہے، اس نے بے اختیار ہنسی کی آواز سنی تو چونک کر پلٹا، ردا بے تحاشہ ہنس رہی تھی، اس سے پہلے غالباً کوٹھی کے کسی فرد نے اسے اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا، اختر کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی صورت دیکھنے لگا اور پھر خود بھی اسی طرف چل پڑا جہاں ردا موجود تھی، وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے مہندی کی ایک باڑھ کو عبور کرنا پڑا تھا۔ (جاری ہے)

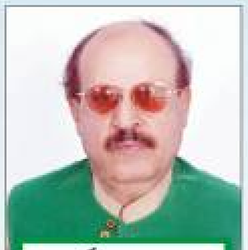

عطاء محمد کاکڑ

ملک بھر میں گرمی کی شدید لہر کا انتباہ:

متاثرہ علاقوں کی تفصیل، صحت کے خطرات اور حفاظتی تدابیر کا جامع جائزہ

مئی اور جون کے مہینے پاکستان کے موسمیاتی ریکارڈ میں سب سے زیادہ گرم مہینوں کے طور پر مشہور ہیں۔ ان ادوار میں جنوبی پنجاب، بالائی سندھ اور جنوبی و مشرقی بلوچستان کے علاقے انتہائی شدید گرمی کا شکار رہتے ہیں جہاں بعض اوقات درجہ حرارت 52 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے

پاکستان کے مختلف علاقوں میں موسم گرما کی شدت روز بروز بڑھ رہی ہے اور نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) نے ملک کے وسطی اور جنوبی حصوں میں 7 سے 11 مئی تک جبکہ بالائی علاقوں میں 8 سے 10 مئی کے دوران گرمی کی شدید لہر کا واضح انتباہ جاری کر دیا ہے۔ یہ انتباہ محکمہ موسمیات کی تازہ ترین پیش گوئی پر مبنی ہے جس کے مطابق بالائی فضا میں زیادہ دباؤ کی وجہ سے درجہ حرارت میں غیر معمولی اضافہ متوقع ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس دوران کراچی جیسے ساحلی شہروں میں بھی گرمی کی شدت میں نمایاں اضافہ ہوگا اور زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 35 سے 38 ڈگری سیلسیس تک پہنچنے کا امکان ہے۔ حال ہی میں سندھ صوبے میں کراچی اور حیدرآباد میں شدید گرمی سے ہونے والی ہلاکتوں نے اس خطرے کو مزید اجاگر کیا ہے جہاں فلاحی اداروں نے ہیٹ سٹروک سے متاثرہ افراد کی تعداد دس سے زائد بتائی ہے۔ محکمہ آفات سندھ نے ایک ہزار سے زیادہ ہیٹ ویو سے بچاؤ کے کیمپ قائم کر کے عوام کو ریلیف فراہم کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ محکمہ موسمیات کے مطابق 10 مئی کی شب سے بالائی علاقوں میں گرمی کی شدت میں کمی آنے کا امکان ہے۔

مئی اور جون کے مہینے پاکستان کے موسمیاتی ریکارڈ میں سب سے زیادہ گرم مہینوں کے طور پر مشہور ہیں۔ ان ادوار میں جنوبی پنجاب، بالائی سندھ اور جنوبی و مشرقی بلوچستان کے علاقے انتہائی شدید گرمی کا شکار رہتے ہیں جہاں بعض اوقات درجہ حرارت 52 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف انسانی جانوں کو خطرے میں ڈالتی ہے بلکہ زراعت، مویشیوں، جنگلات اور مجموعی معاشی سرگرمیوں پر بھی گہرے منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ این ڈی ایم اے نے تمام متعلقہ اداروں کو الرٹ رہنے اور پیشگی اقدامات کرنے کی ہدایت کی ہے تاکہ ممکنہ نقصانات کو کم سے کم کیا جا سکے۔

سندھ صوبے کے مختلف اضلاع خاص طور پر دادو، شہید بے نظیر آباد، گھوٹکی، خیرپور، نوشہرو فیروز، جیکب آباد، لاڑکانہ اور سکھر میں درجہ حرارت 46 سے 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک جانے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ کراچی میں بھی شدید گرم اور مرطوب موسم متوقع ہے جو شہری آبادی کے لیے خاص طور پر تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بلوچستان میں سبی، نصیر آباد، جعفر آباد، تربت اور پنجگور جیسے علاقوں میں پارہ 50 ڈگری تک پہنچنے کا خدشہ ہے جو ان خطوں کی آب و ہوا کی سختی کو مزید بڑھا دے گا۔ پنجاب اور خیبر پختونخوا کے جنوبی اور مغربی اضلاع جیسے ڈیرہ غازی خان، لیہ، بھکر، راجن پور، کوٹ ادو، بہاولپور، ملتان، ساہیوال، کرک، بنوں، لکی مروت اور ڈیرہ اسماعیل خان میں درجہ حرارت 43 سے 47 ڈگری کے درمیان رہنے کا امکان ہے۔ جبکہ بالائی اور وسطی پنجاب کے بڑے شہروں لاہور، فیصل آباد، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، اسلام آباد، راولپنڈی، پشاور، مردان، صوابی، نوشہرہ اور کوہاٹ میں بھی 39 سے 43 ڈگری سیلسیس تک گرمی پڑنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

این ڈی ایم اے نے گلگت بلتستان اور خیبر پختونخوا کے پہاڑی علاقوں میں گلیشیئر لیک آؤٹ برسٹ فلڈ (GLOF) یعنی گلیشیئروں کے پگھلنے سے بننے والی جھیلوں کے پھٹنے کا بھی سنگین خدشہ ظاہر کیا ہے۔ متعلقہ اداروں کو حساس مقامات کی مسلسل نگرانی اور بروقت evacuation پلانز پر عمل درآمد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ 10 مئی کی شام یا رات کو مغرب سے آنے والا ایک کمزور موسمی سلسلہ بالائی علاقوں میں داخل ہوگا جو 13 مئی تک برقرار رہنے کا امکان ہے اور اس سے ان خطوں میں گرمی سے کچھ ریلیف مل سکتا ہے۔ حکام نے تمام صوبائی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹیز، ریسکیو 1122، مسلح افواج اور وفاقی اداروں کو ممکنہ ہیٹ ویو سے نمٹنے کے لیے جامع اور بروقت اقدامات کرنے کی تاکید کی ہے۔ عوام میں آگاہی مہم چلانا، سکولوں کے اوقات کار میں تبدیلی یا عارضی تعطیلات، ہائی رسک علاقوں میں ہیٹ سٹروک ٹریٹمنٹ سینٹرز قائم کرنا، ہسپتالوں کی استعداد بڑھانا اور ایمرجنسی رسپانس پروٹوکولز تیار کرنا اس سلسلے میں اہم اقدامات ہیں۔

انفرادی سطح پر شہریوں کو شدید گرمی سے بچاؤ کے لیے متعدد احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر وقت صاف پانی کا بوتل اپنے ساتھ رکھیں اور وقفے وقفے سے پیتے رہیں۔ صبح 10 بجے سے شام 5 بجے تک براہ راست دھوپ میں نکلنے سے مکمل گریز کریں۔ مستند ذرائع سے موسم کی تازہ صورتحال جانتے رہیں۔ گھروں میں گرمی کم کرنے کے لیے موٹے پردے، شیڈز اور بلائنڈز استعمال کریں۔ رات کے وقت کھڑکیاں کھول کر ہوا کی آمد و رفت بہتر بنائیں اور کھڑکیوں کے باہر سبز پودوں یا شیڈز لگائیں تاکہ قدرتی ٹھنڈک برقرار رہے۔ چکر آنا، متلی، شدید تھکاوٹ یا کمزوری کی صورت میں فوراً طبی امداد حاصل کریں۔ بزرگ افراد، چھوٹے بچوں اور دائمی امراض میں مبتلا مریضوں کا خاص خیال رکھیں۔ غیر ضروری سفر کم کریں اور باہر کے کام دن کے ٹھنڈے اوقات میں انجام دیں۔ گاڑیوں کی مکمل فٹنس یقینی بنائیں، ایئر کنڈیشننگ، ٹائر پریشر، انجن اور بیٹری چیک کروائیں۔ کسانوں کو مشورہ ہے کہ زرعی سرگرمیاں موسمی حالات کے مطابق ترتیب دیں اور مویشیوں کو سایہ، پانی اور مناسب خوراک فراہم کریں۔ جنگلات اور شہری علاقوں میں آگ لگنے کے خطرات کو دیکھتے ہوئے فائر بریگیڈ کو ہائی الرٹ رکھا جائے۔

شدید گرمی انسانی جسم پر کئی طرح کے پیچیدہ اثرات مرتب کرتی ہے۔ جیسے جیسے جسم کا درجہ حرارت بڑھتا ہے خون کی نالیاں پھیلنے لگتی ہیں جس سے بلڈ پریشر کم ہوتا ہے اور دل کو خون گردش کے لیے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ پسینے کے ذریعے جسم سے پانی اور نمکیات خارج ہونے سے الیکٹرولائٹس کا توازن بگڑ جاتا ہے جو جلد پر دانے، پیروں میں سوزش اور دیگر مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ لو لگنے (ہیٹ ایگزاسٹ) کی علامات میں سر درد، چکر آنا، متلی، پٹھوں میں کھچاؤ، الجھن اور شدید تھکاوٹ شامل ہیں۔ اگر بلڈ پریشر بہت گر جائے تو دل کا دورہ یا دیگر پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ انسانی جسم قدرتی طور پر 37 ڈگری کے قریب درجہ حرارت برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ گرمی بڑھنے پر جلد کی شریانوں کو کھول کر پسینہ پیدا کرتا ہے تاکہ جسم ٹھنڈا ہو۔ یہ عمل جسم پر بہت دباؤ ڈالتا ہے۔ اگر کسی شخص کو لو لگ جائے تو اسے فوراً ٹھنڈی جگہ پر لے جائیں، لٹا دیں، پاؤں تھوڑا اوپر کریں، پانی یا ری ہائیڈریشن ڈرنکس پلائیں، جسم پر ٹھنڈا پانی کا سپرے کریں اور پنکھے کی ہوا لگائیں۔ بغل اور گردن پر آئس پیک رکھ سکتے ہیں۔ اگر 30 منٹ میں بہتری نہ آئے تو یہ ہیٹ سٹروک ہو سکتا ہے جو ہنگامی صورتحال ہے۔ ہیٹ سٹروک میں جسم کا درجہ حرارت 40 ڈگری سے تجاوز کر جاتا ہے، پسینہ آنا بند ہو جاتا ہے اور بے ہوشی یا دورے پڑ سکتے ہیں۔

بچوں اور بزرگوں سمیت کس کو زیادہ خطرہ ہے؟

صحت مند افراد عام سمجھ بوجھ استعمال کر کے گرمی کی لہر میں خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو لو لگنے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ زیادہ عمر کے لوگ یا دل کی بیماری جیسے امراض کا سامنا کرنے والے افراد کے لیے گرمی کی وجہ سے جسم پر پڑنے والے دباؤ سے نمٹنا مشکل ہو سکتا ہے۔ ذیابطیس 1 اور 2 کی وجہ سے جسم تیزی سے پانی کی کمی کا شکار ہوتا ہے اور بیماری کی وجہ سے شریانیں اور پسینہ پیدا کرنے کی صلاحیت متاثر ہو سکتی ہے۔ یہ بات بھی اہم کردار ادا کرتی ہے کہ آپ کو سمجھ ہو کہ آپ کے جسم کا درجہ حرارت بہت بڑھ چکا ہے اور یہ کہ اس بارے میں آپ کو کچھ کرنا چاہیے۔ ہم اس بات کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیتے لیکن بچوں اور ذہنی امراض کے شکار افراد گرمی کی لہر کا زیادہ آسان شکار ہو سکتے ہیں۔ بے گھر افراد کو سورج کی تپش زیادہ محسوس ہوگی اور فلیٹ میں سب سے اوپر رہنے والے لوگوں کو بھی زیادہ درجہ حرارت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہیٹ ویو کے دوران کچھ ادویات کا استعمال نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے؟

جی ہاں! تاہم لوگوں کو معمول کے مطابق اپنی ادویات لینے کی ضرورت ہے اور اپنے جسم کے درجہ حرارت کو کم سے کم رکھنے کی کوشش کریں اور زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔

ڈیوریٹکس جنھیں 'واٹر پلز' بھی کہا جاتا ہے، جسم سے پانی کے اخراج میں اضافہ کرتی ہیں۔ انھیں دل کے عارضے میں مبتلا افراد استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ درجہ حرارت میں ان ادویات کے باعث جسم میں پانی کی کمی اور منرلز کا توازن خراب ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اینٹی ہائپرٹینسو ادویات جو فشار خون میں کمی کا باعث بنتی ہیں وہ ان خون کی نالیوں کو جوڑ دیتی ہیں جو گرمی سے مقابلہ کرنے کے لیے پھول جاتی ہیں اور فشار خون میں خطرناک حد تک کمی کی وجہ بنتی ہیں۔ مرگی اور پارکنسنز جیسی بیماریوں کے لیے استعمال ہونے والی ادویات کے باعث پسینہ آنا بند ہو جاتا ہے جو جسم کو ٹھنڈا کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ یہ ادویات جسم میں تھیم اور سٹیمز بھی شامل ہوتا ہے یہ خون میں اپنی مقدار میں اضافہ کرتے ہوئے ایک مسئلہ بن سکتے ہیں۔

جسم کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ پانی، دودھ اور قدرتی مشروبات استعمال کریں۔ چائے، کافی اعتدال میں پی سکتے ہیں مگر شراب سے اجتناب کریں۔ گھر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے دن میں کھڑکیاں بند رکھیں اور پردے لگائیں۔ مجموعی طور پر احتیاط، آگاہی اور بروقت اقدامات ہی اس قدرتی چیلنج سے نمٹنے کا بہترین طریقہ ہے۔ حکومت، اداروں اور عوام کو مل کر کام کرنا ہوگا تاکہ اس شدید گرمی کی لہر کے ممکنہ نقصانات کو کم سے کم کیا جا سکے اور انسانی جانوں کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔

کیا گرمی سے آپ کی موت واقع ہو سکتی ہے؟

جی ہاں۔ صرف انگلینڈ میں ہر سال دو ہزار افراد زیادہ درجہ حرارت کے باعث ہلاک ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر دل کا دورہ پڑنے اور سٹروکس کے باعث ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ جسم اپنے درجہ حرارت کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ زیادہ اموات اس وقت واقع ہوتی ہیں جب درجہ حرارت 25-26 ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کرتا ہے۔ تاہم اس حوالے سے سامنے آنے والے شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر اموات بہار یا موسم گرما کے آغاز میں ہوتی ہیں نہ کہ موسم گرما کے عروج پر۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہے کہ ہم گرمیوں کی آمد پر اپنے روزمرہ کے رویوں میں تبدیلی لانا شروع کر دیتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ہم گرمی برداشت کرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ ہیٹ ویوز کے اعداد و شمار کے مطابق اموات میں اضافہ بہت جلدی ہوتا ہے، یعنی ہیٹ ویوز کے آغاز کے پہلے 24 گھنٹوں میں ہیں۔

جسم کو ٹھنڈا کیسے رکھا جائے؟

اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ پانی یا دودھ پی رہے ہیں۔ چائے اور کافی پینے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ تاہم زیادہ مقدار میں شراب پینے سے اجتناب کریں کیونکہ اس سے جسم میں پانی کی اچانک کمی کا خطرہ بڑھ سکتا ہے۔ اگر آپ کے گھر کے باہر گرمی گھر کے اندر گرمی سے زیادہ ہے تو یہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے گھر کی کھڑکیاں بند رکھیں اور پردے بند رکھیں۔

پاکستان میں گھڑ دوڑ کا کھیل ایک مہنگا شوق

ڈربی میں ایک کروڑ انعام اور پُرخطر کھیل: لاہور ریس کلب کے ایک چیمپیئن جوکی کی کہانی

لاہور ریس کلب میں ہر سیزن میں درجنوں ایسے گھوڑے دوڑتے ہیں جن کی قیمت ایک کروڑ سے زائد ہوتی ہے۔ ان کی خریداری، ٹرانسپورٹ، ٹیکس، بورڈنگ، خوراک، سپلیمنٹس، ویٹرنری کیئر اور ایئر کنڈیشنڈ اسٹیبلز، سب کچھ مہنگا پڑتا ہے۔ مگر جب یہ گھوڑا ڈربی جیت جاتا ہے تو یہ سرمایہ کاری سودمند ثابت ہوتی ہے۔

میری بات

روہیل اکبر

لاہور ریس کلب، جو کوٹ لکھپت جیل سے محض چند سو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، شہر کی ہلچل سے الگ تھلگ ایک الگ ہی دنیا بساتی ہے۔ یہاں ہر اتوار کو جب سورج کی کرنیں گھڑ دوڑ کے میدان پر پڑتی ہیں تو ایک جادو سا بکھر جاتا ہے۔ ہزاروں تماشائیوں کی تالیاں، گھوڑوں کی تیز رفتار دوڑ، اور کروڑوں روپے کی داؤں پر لگی قسمت کا کھیل — یہ سب مل کر ایک ایسا منظر تخلیق کرتے ہیں جو دل کو thrill سے بھر دیتا ہے۔ یہاں کے میدان میں دوڑنے والے گھوڑے عام نہیں ہوتے؛ یہ غیر ملکی نسل کے Thoroughbred ہیں جن کی قیمت ڈیڑھ کروڑ روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ ان کی چال، ان کی نسل، ان کی تربیت اور ان کے امیر مالکان سب کچھ توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ مگر اس شاندار منظر کے پیچھے اصل ہیروز وہ جوکی ہوتے ہیں جو چند منٹ کی ریس کے لیے برسوں کی محنت، بھوک، درد اور خطرات مول لیتے ہیں۔

ایسے ہی ایک چمکتے ستارے ہیں نوجوان اویس انجم، لاہور ریس کلب کے چیمپیئن جوکی۔ وہ بتاتے ہیں کہ بچپن میں وکیل بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے، مگر 14 سال کی عمر میں ریس کے سحر نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ تالیاں، جوش، گھوڑوں کی رفتار اور فتح کا نشہ — یہ سب دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جوکی ہی بنیں گے۔ یہ فیصلہ ان کے لیے نسبتاً آسان تھا کیونکہ ریسنگ ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ والد اور دادا بھی جوکی تھے۔ چھ سال کی محنت کے بعد اویس انجم نہ صرف پروفیشنل جوکی بن گئے بلکہ ڈربی سمیت 300 سے زائد ریسیں جیت چکے ہیں۔ موجودہ سیزن میں وہ لاہور ریس کلب کے سب سے کامیاب جوکی ہیں۔ جس دن ہماری ان سے ملاقات ہوئی، اس دن بھی انہوں نے تین ریسوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔

پاکستان میں گھڑ دوڑ کا کھیل ایک مہنگا شوق ہے۔ امیر مالکان لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کر کے بہترین نسل کے گھوڑے درآمد کرتے ہیں۔ انگلینڈ، آئرلینڈ اور دیگر ممالک سے لائے جانے والے Thoroughbred گھوڑے نہ صرف رفتار کے لیے مشہور ہیں بلکہ ان کی نسل کو برقرار رکھنے کے لیے خاص توجہ دی جاتی ہے۔ لاہور ریس کلب میں ہر سیزن میں درجنوں ایسے گھوڑے دوڑتے ہیں جن کی قیمت ایک کروڑ سے زائد ہوتی ہے۔ ان کی خریداری، ٹرانسپورٹ، ٹیکس، بورڈنگ، خوراک، سپلیمنٹس، ویٹرنری کیئر اور ایئر کنڈیشنڈ اسٹیبلز — سب کچھ مہنگا پڑتا ہے۔ مگر جب یہ گھوڑا ڈربی جیت جاتا ہے تو یہ سرمایہ کاری سودمند ثابت ہوتی ہے۔

پاکستان ڈربی: ایک کروڑ کا انعام اور خوابوں کی تعبیر

پاکستان ڈربی لاہور ریس کلب کی سب سے بڑی اور معتبر ریس ہے۔ اس میں انعام کی رقم ایک کروڑ روپے تک ہوتی ہے۔ یہ کلاسک ریس نہ صرف جوکی اور مالک کے لیے فخر کا باعث بنتی ہے بلکہ گھوڑے کی نسل کی قدر بھی بڑھا دیتی ہے۔

2026 میں JDW پاکستان ڈربی میں اویس انجم نے جیوپیٹر پر سواری کرتے ہوئے شاندار فتح حاصل کی۔ ڈاکٹر ابوبکر، جن کے اسطبل سے یہ گھوڑا تعلق رکھتا ہے، کہتے ہیں کہ "کسی جوکی کے لیے ڈربی جیتنا بڑی بات ہے۔ کئی جوکی پوری زندگی گزار دیتے ہیں مگر یہ اعزاز حاصل نہیں کر پاتے۔ اویس نے کم عمر میں یہ کر دکھایا۔"

ڈربی میں جیتنے والے جوکی کو انعامی رقم کا دس فیصد ملتا ہے، یعنی دس لاکھ روپے۔ ٹرینرز کو بھی اتنا ہی حصہ جاتا ہے۔ لاہور ریس کلب کے سیکریٹری شہزاد اختر بتاتے ہیں کہ سیزن میں پاکستان ڈربی کے علاوہ کوئین الزبتھ کپ، نیو ایئر کپ، تھاؤزنڈ گنیز جیسی بڑی ریسیں بھی ہوتی ہیں جن میں انعام میں لاکھ تک پہنچ جاتا ہے۔ کلب کے قواعد کے مطابق جیت نہ پانے والے جوکیز کو بھی طے شدہ فیس دی جاتی ہے تاکہ ان کا حوصلہ برقرار رہے۔

ریس کلب کا سیزن ستمبر سے اپریل تک چلتا ہے۔ ہر اتوار کو میدان سجتا ہے۔ تماشائیوں کا ہجوم، شرط لگانے والے، فوٹوگرافرز اور VIP لاؤنجز — ماحول دلکش ہوتا ہے۔ مگر اس کے پیچھے جوکی کی زندگی بھوک، محنت اور خطرے سے بھری ہوتی ہے۔

جوکی بننے کا مشکل سفر

جوکی بننے کا راستہ آسان نہیں۔ لاہور ریس کلب کے سکول میں دو سال کی تربیت ہوتی ہے۔ گرومنگ، رائیڈنگ، ٹریک ورک، گھوڑے کو سمجھنا — سب کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ ٹیسٹ پاس کرنے کے بعد اپرنٹس لائسنس ملتا ہے۔ سات ریسیں جیتنے کے بعد رائیڈر، اور ایک سال میں تیس ریسیں جیتنے کے بعد جوکی کا مکمل لائسنس۔ پھر بڑی ریسیں جیت کر چیمپیئن کا درجہ ملتا ہے۔

اویس انجم بتاتے ہیں کہ تربیت کے دوران ہی ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ "پہلی ریس کے بعد یہ حادثہ ہوا۔ دو سال لگے واپسی میں۔" ریس کلب انجری کا خرچ اٹھاتا ہے اور ماہانہ امداد بھی دیتا ہے، مگر درد اور خوف جوکی خود برداشت کرتا ہے۔ ریس کے دوران گھوڑے کی رفتار 60-70 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہو سکتی ہے۔ ایک چھوٹی سی غلطی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ جوکی کے لیے سب سے بڑا چیلنج وزن کا کنٹرول ہے۔ اویس کہتے ہیں، "جم جاتے ہیں، سٹیمنا بڑھاتے ہیں، چربی کم رکھتے ہیں۔ دل کرتا ہے پیزا کھائیں مگر کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔" ان کا وزن عام طور پر 50-55 کلو کے قریب رکھنا پڑتا ہے۔ یہ بھوک برداشت کرنا جوکی کی سب سے بڑی قربانی ہے۔

قیمتی گھوڑوں کی دنیا

ڈاکٹر ابوبکر بتاتے ہیں کہ انگلینڈ سے اچھی نسل کی گھوڑی 30-35 ہزار پاؤنڈز میں ملتی ہے۔ پاکستان لانے، ٹیکس اور دیگر اخراجات کے بعد لاگت ڈیڑھ کروڑ روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ ایک سیزن میں ایک گھوڑے پر ڈیڑھ لاکھ روپے کا خرچہ — بورڈنگ، خوراک، سپلیمنٹس، ویٹرنری۔ یہ گھوڑے مکھیوں اور گرمی برداشت نہیں کر پاتے اس لیے ایئر کنڈیشنر لگائے جاتے ہیں اور سپرے کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں Thoroughbred نسل غالب ہے جو ریسنگ کے لیے بہترین ہے۔ ان کی نسل کا ریکارڈ، والدین کی کارکردگی، رفتار اور استحکام دیکھ کر خریداری کی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں مشہور گھوڑوں کی طرح پاکستان میں بھی یہ گھوڑے سپر سٹار بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر شیر گر جیسے گھوڑوں کی قیمت دس ملین ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔

گھوڑا جوکی کو جوکی بناتا ہے مگر بغیر جوکی کے جیت نہیں سکتا۔ اویس کہتے ہیں کہ ریس سے پہلے پلان بنتا ہے۔ ایک سے ڈیڑھ منٹ کی ریس میں فیصلے فوری کرنے پڑتے ہیں۔ گھوڑے کے جسم کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے۔ گھوڑا بھی جانتا ہے کہ وننگ پوسٹ کے بعد ہی آرام ملے گا۔

لاہور ریس کلب کی تاریخ اور ثقافت

1924 میں قائم لاہور ریس کلب برطانوی دور کی یادگار ہے۔ یہاں گھڑ دوڑ نہ صرف کھیل ہے بلکہ ثقافت، کاروبار اور تفریح کا امتزاج ہے۔ امیر طبقے کے لوگ یہاں اپنے گھوڑوں کو پیش کرتے ہیں۔ ٹرینرز، گروم، ویٹرنری ڈاکٹرز، جوکیز — ایک پوری انڈسٹری چلتی ہے۔ سلمان حسن جیسے لوگ بتاتے ہیں کہ مالکان دو سالہ بچھڑے خریدتے ہیں، چھ ماہ تربیت دیتے ہیں۔ چار سال کی عمر میں کلاسک گھوڑے ریٹائر ہو جاتے ہیں جبکہ جوکی کی کوئی فکس ریٹائرمنٹ نہیں — بس فٹنس اور وزن برقرار رکھنا پڑتا ہے۔

ریسنگ میں نسل کا علم بہت اہم ہے۔ عام آدمی کے لیے اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے مگر ماہرین نسل، خاندانی تاریخ اور پرفارمنس دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ نیزہ بازی میں سوار کا کمال ہوتا ہے تو ریسنگ میں جوکی، ٹرینرز، مالک اور گرومنگ کا امتزاج۔

اویس انجم کی کہانی: حوصلہ، جدوجہد اور کامیابی

اویس انجم کی زندگی ایک سبق ہے۔ خاندانی پس منظر، ابتدائی حادثہ، وزن کا کنٹرول، مسلسل محنت اور پھر ڈربی کی فتح۔ وہ اب اپنا گھر خرید چکے ہیں اور خاندان کی کفالت کر رہے ہیں۔ ان کی کامیابی نئی نسل کے جوکیز کے لیے مشعل راہ ہے۔

پاکستان میں گھڑ دوڑ کا مستقبل روشن ہے۔ نئی نسل کے گھوڑے، بہتر سہولیات اور نوجوان جوکیز اس کھیل کو مزید مقبول بنا رہے ہیں۔ مگر یاد رکھیں، اس شاندار منظر کے پیچھے جوکی کی بھوک، درد اور خطرہ ہے جو ہر فتح کو قیمتی بناتا ہے۔ لاہور ریس کلب کی دنیا محض ریس نہیں — یہ خوابوں، جدوجہد، قسمت اور محنت کا میلہ ہے جہاں ایک لمحے کی رفتار کروڑوں کی قدر بدل دیتی ہے۔ اویس انجم جیسے جوکیز اس کھیل کی روح ہیں۔ ان کی کہانی ہر اس شخص کو متاثر کرتی ہے جو خطرے سے گزر کر خواب پورے کرنا چاہتا ہے۔

وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز کا بہترین انتخاب نادیہ ثاقب

سیکرٹری پرائمری اینڈ سیکنڈری ہیلتھ نادیہ ثاقب، پنجاب کے صحت کے نظام کی مثالی اور محنتی منتظم

مقصود خالد
بیورو چیف

وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف نے جب محکمہ صحت کی قیادت کے لیے ہونہار، نڈر اور محنتی منتظم نادیہ ثاقب کا انتخاب کیا تو انہوں نے نہ صرف ایک قابل اور پیشہ ور افسر کو ذمہ داری سونپی بلکہ پنجاب کے صحت کے شعبے کو ایک ایسی قیادت فراہم کی جس نے انتہائی مشکل حالات میں بھی مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ نادیہ ثاقب ایک دبنگ، ایماندار، فرض شناس اور طوفانی دوروں والی خاتون افسر کے طور پر پہچانی جاتی ہیں جو دن رات پنجاب بھر کے ہسپتالوں، بنیادی صحت مراکز اور دیہی علاقوں میں ذاتی نگرانی کرتی ہیں۔ ان کی محنت، جدید سوچ، شفافیت اور عملی اقدامات نے محکمہ پرائمری اینڈ سیکنڈری ہیلتھ کو ایک نئی جہت دی ہے۔ مریم نواز کی قیادت میں نادیہ ثاقب جیسی افسران کی خدمات عوام کے لیے ایک زندہ مثال بن کر ابھری ہیں، جو ثابت کرتی ہیں کہ اگر قیادت درست ہو تو چیلنجز بھی مواقع میں بدل سکتے ہیں۔

پنجاب جیسے بڑے صوبے میں صحت کا نظام کئی سنگین چیلنجز کا شکار رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی، وسائل کی کمی، وبائی امراض کا بار بار حملہ، سرکاری ہسپتالوں میں مریضوں کا بے پناہ رش، دیہی علاقوں میں بنیادی سہولیات کا فقدان اور عملے کی غیر حاضری جیسے مسائل نے نظام کو کمزور کر رکھا تھا۔ ایسے نازک ماحول میں نادیہ ثاقب نے جب محکمہ کی ذمہ داری سنبھالی تو انہوں نے کوئی جادو نہیں کیا بلکہ ایک واضح ویژن، مسلسل فیلڈ مانیٹرنگ، ڈیجیٹل ٹولز کی مدد اور شفاف فیصلہ سازی کے ذریعے ایک ایک کر کے مسائل حل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محض کاغذی کارروائی اور فائلوں تک محدود رہنے کے بجائے خود ہسپتالوں کا دورہ کیا، عملے سے براہ راست ملاقاتیں کیں، مریضوں کی شکایات سنیں اور فوری اقدامات اٹھائے۔ اس عملی طرز عمل نے نہ صرف محکمے کے اندر ایک نئی جان ڈالی بلکہ عوام میں سرکاری صحت کے نظام کے حوالے سے اعتماد بھی بحال کیا۔

نادیہ ثاقب کی قیادت میں سب سے پہلے بنیادی صحت کے ڈھانچے کی بحالی پر توجہ مرکوز کی گئی۔ HealthBasic Units اور RuralHealthCenters جو کئی جگہوں پر غیر فعال یا ناکارہ حالت میں تھے، انہیں دوبارہ فعال بنایا گیا۔ 24/7 سروسز کا آغاز کیا گیا، جدید طبی آلات فراہم کیے گئے اور ڈاکٹرز سمیت پیرامیڈیکل سٹاف کی حاضری کو سخت مانیٹرنگ کے ذریعے یقینی بنایا گیا۔ اس کے نتیجے میں دیہی علاقوں کے لوگوں کو اب بڑے شہروں کے ہسپتالوں کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ مقامی سطح پر ہی معیاری علاج حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تبدیلی صرف اعداد و شمار میں نہیں بلکہ لاکھوں غریب مریضوں کی روزمرہ زندگی میں محسوس کی جا رہی ہے، جہاں وقت پر علاج ملنے سے اموات کی شرح کم ہوئی ہے اور لوگوں کا سرکاری نظام پر بھروسہ بڑھا ہے۔

ادویات کی خریداری اور تقسیم کا نظام، جو ہمیشہ کرپشن اور بدعنوانی کے الزامات کا شکار رہا، نادیہ ثاقب نے اسے شفاف بنانے کے لیے ڈیجیٹل مانیٹرنگ کا جدید نظام متعارف کروایا۔ ای-پروکیورمنٹ، آن لائن ٹریکنگ، خودکار اسٹاک مینجمنٹ اور ریئل ٹائم رپورٹنگ جیسے اقدامات سے نہ صرف وسائل کی ضائع کاری روکی گئی بلکہ ادویات کی دستیابی بھی یقینی بنائی گئی

ادویات کی خریداری اور تقسیم کا نظام، جو ہمیشہ کرپشن اور بدعنوانی کے الزامات کا شکار رہا، نادیہ ثاقب نے اسے شفاف بنانے کے لیے ڈیجیٹل مانیٹرنگ کا جدید نظام متعارف کروایا۔ ای-پروکیورمنٹ، آن لائن ٹریکنگ، خودکار اسٹاک مینجمنٹ اور ریئل ٹائم رپورٹنگ جیسے اقدامات سے نہ صرف وسائل کی ضائع کاری روکی گئی بلکہ ادویات کی دستیابی بھی یقینی بنائی گئی۔ مریضوں کو اب ہسپتالوں میں ادویات نہ ملنے کی شکایات بہت کم سننے کو ملتی ہیں۔ یہ شفافیت کا ماڈل نہ صرف پنجاب بلکہ دیگر صوبوں کے لیے بھی ایک قابل تقلید مثال بن گیا ہے۔

ڈیجیٹل ہیلتھ اصلاحات نادیہ ثاقب کی قیادت کا ایک اور شاندار پہلو ہیں۔ ہسپتال مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم (HMIS)، مریضوں کے ڈیجیٹل ریکارڈز، آن لائن رپورٹنگ اور مرکزی مانیٹرنگ ڈیش بورڈ کے ذریعے فیصلہ سازی کو تیز اور درست بنایا گیا۔ اب دور دراز کے مراکز سے بھی ریئل ٹائم ڈیٹا آتا ہے جس کی بنیاد پر فوری اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ یہ جدید سوچ نے محکمے کو روایتی طریقوں سے نکال کر 21 ویں صدی کے تقاضوں کے مطابق ڈھال دیا ہے۔

شفافیت اور احتساب کو مضبوط بنانے کے لیے شکایات سیل قائم کیا گیا، فیلڈ انسپیکشنز کو باقاعدہ بنایا گیا اور کسی بھی ناقص کارکردگی پر فوری ایکشن لیا جاتا ہے۔ مریض دوست پالیسیاں، ہسپتالوں میں سہولیات کی بہتری اور شکایات کا فوری ازالہ ان کی ترجیحات رہیں

ڈینگی اور دیگر وبائی امراض کے خلاف نادیہ ثاقب کی حکمت عملی قابل رشک رہی ہے۔ انسداد ڈینگی مہم کی سخت نگرانی، فیلڈ ٹیموں کی مسلسل سرگرمی، عوامی آگاہی مہمات اور بروقت علاج کی فراہمی سے ڈینگی کیسز میں نمایاں کمی آئی ہے۔ COVID-19 جیسے عالمی بحران کے دوران بھی محکمے نے ان کی قیادت میں موثر کردار ادا کیا۔ ان اقدامات سے نہ صرف جانیں بچائی گئیں بلکہ صوبے کے صحت کے انفراسٹرکچر کی مضبوطی بھی ثابت ہوئی۔

انسانی وسائل کی بہتری پر نادیہ ثاقب نے خصوصی توجہ دی۔ میرٹ پر بھرتیاں، ڈاکٹرز اور نرسز کی مسلسل ٹریننگ، کارکردگی کی بنیاد پر مانیٹرنگ اور ناقص کارکردگی پر فوری کارروائی نے عملے کے معیار کو بلند کیا ہے۔ مریضوں کے ساتھ رویہ بہتر ہوا ہے اور سرکاری ہسپتالوں میں پیشہ ورانہ ماحول پیدا ہوا ہے۔ دیہی علاقوں میں صحت کی سہولیات کو بڑھانے کے لیے موبائل ہیلتھ یونٹس، میڈیکل کیمپس اور ماں بچے کی صحت کے خصوصی پروگرام شروع کیے گئے۔ زچگی کے دوران اموات میں کمی، ویکسینیشن کی شرح میں اضافہ اور غذائی قلت کے خلاف اقدامات نے دیہی پنجاب کی صحت کی تصویر بدل دی ہے۔

شفافیت اور احتساب کو مضبوط بنانے کے لیے شکایات سیل قائم کیا گیا، فیلڈ انسپیکشنز کو باقاعدہ بنایا گیا اور کسی بھی ناقص کارکردگی پر فوری ایکشن لیا جاتا ہے۔ مریض دوست پالیسیاں، ہسپتالوں میں سہولیات کی بہتری اور شکایات کا فوری ازالہ ان کی ترجیحات رہیں۔ نتیجتاً سرکاری ہسپتالوں پر عوام کا اعتماد بحال ہوا اور نجی شعبے پر غیر ضروری انحصار کم ہوا۔ نادیہ ثاقب نے عالمی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے WHO کی گائیڈ لائنز پر عملدرآمد، بین الاقوامی اداروں کے ساتھ تعاون اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کو یقینی بنایا۔ میڈیا کے ساتھ شفاف رابطہ، عوامی آگاہی اور فوری جوابات نے بھی ان کی قیادت کو نمایاں کیا۔ یقیناً وسائل کی کمی، عملے کی قلت اور آبادی کے دباؤ جیسے چیلنجز اب بھی موجود ہیں، مگر نادیہ ثاقب کی مسلسل محنت، پلاننگ اور وزیراعلیٰ مریم نواز کی حمایت سے یہ چیلنجز ایک ایک کر کے حل ہو رہے ہیں۔ ان کا ویژن واضح ہے۔ ہر یونین کونسل میں معیاری صحت کی سہولت، مکمل ڈیجیٹلائزیشن اور عالمی معیار کی خدمات۔

نادیہ ثاقب کی قیادت میں پنجاب کا صحت کا نظام تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ان کی دیانتداری، محنت اور عملی سوچ نے نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی صحت مند پنجاب کی بنیاد رکھ دی ہے۔ مریم نواز شریف کا یہ انتخاب واقعی بہترین ثابت ہوا ہے۔ اگر یہی تسلسل جاری رہا تو پنجاب کا صحت کا نظام نہ صرف پاکستان بلکہ پورے خطے کے لیے ایک روشن مثال بن جائے گا۔ عوامی خدمت کی اس عظیم مثال کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ نادیہ ثاقب جیسی افسران کی خدمات مزید ترقی اور کامیابی سے ہمکنار ہوں گی۔

☆......☆

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ایک اور استاد خوارج کا نشانہ بن گئے

عجز و انکساری کے پیکر شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس شہید

دہشت گردوں اور خوارج کیخلاف ایک توانا آواز تھے، صبر کا پیمانہ لبریز، خوارج کیخلاف حتمی کاروائی کرنا ہوگی

ساجد خان
(لاہور بیورو)

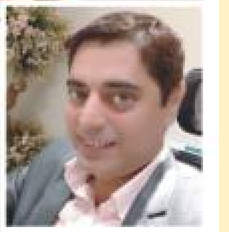

معروف عالم دین، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس، جو جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی سرپرست اور خیبرپختونخوا کی مذہبی و سیاسی حلقوں میں ایک معتبر شخصیت تھے، منگل کے روز نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے۔ یہ سانحہ ضلع چارسدہ کے علاقے ترنگزئی/ اتمانزئی میں پیش آیا جب مولانا صاحب دارالعلوم اتمانزئی کی طرف درس حدیث دینے جا رہے تھے۔ پولیس کے مطابق حملہ آوروں نے ان کی گاڑی پر اندھادھند فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں مولانا موقع پر ہی شہید ہو گئے جبکہ ان کی سیکیورٹی پر مامور دو پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔ ضلعی پولیس سربراہ محمد وقاص خان نے تصدیق کی کہ سی سی ٹی وی فوٹیج اور دیگر شواہد کی بنیاد پر تحقیقات جاری ہیں اور ملزمان کو جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔

اس سانحے نے نہ صرف خیبرپختونخوا بلکہ پورے ملک میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی ہے۔ وزیر اعلیٰ خیبرپختونخوا سہیل آفریدی نے فوری طور پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پولیس سے رپورٹ طلب کی، جبکہ صدر آصف علی زرداری اور وزیر اعظم محمد شہباز شریف نے الگ الگ بیانات میں مولانا کی شہادت پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ صدر مملکت نے کہا کہ دہشت گردی کی ایسی بزدلانہ کارروائیاں قوم کے عزم کو کمزور نہیں کر سکتیں اور دہشت گرد عناصر کے خلاف بلا امتیاز کارروائی جاری رہے گی۔ وزیر اعظم نے زخمی پولیس اہلکاروں کی جلد صحت یابی کی دعا کی۔ جمعیت علمائے اسلام اور دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں نے شدید مذمت کی اور احتجاج کا اعلان کیا۔ مولانا ادریس کی نماز جنازہ میں ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی، جو ان کی مقبولیت اور عوامی پذیرائی کا واضح ثبوت تھا۔

مولانا شیخ محمد ادریس کون تھے؟ ایک تفصیلی سوانح

مولانا محمد ادریس 1961ء میں خیبرپختونخوا کے ضلع چارسدہ کے تاریخی اور علمی گاؤں ترنگزئی میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ نہ صرف زرخیز زمینوں بلکہ علم و دانش کے مراکز کے لیے بھی مشہور رہا ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے سکول سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دینی علوم کی طرف رخ کیا۔ علاقائی مدرسے سے ابتدائی دینی تعلیم مکمل کرکے وہ نوشہرہ کے مشہور مدرسہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک چلے گئے، جہاں انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور شیخ الحدیث کے مقام تک پہنچے۔ بعد ازاں وہ خود ترنگزئی میں جامعہ نعمانیہ چلا رہے تھے، جہاں سینکڑوں طلبہ ان سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ مولانا ادریس کا شمار پاکستان کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا، جن کی تدریس کا دائرہ نہ صرف پاکستان بلکہ افغانستان، سعودی عرب، قطر، انڈونیشیا اور جاپان تک پھیلا ہوا تھا۔

مولانا محمد ادریس 2007ء میں شہید ہونے والے مشہور عالم دین مولانا حسن جان کے داماد تھے۔ مولانا حسن جان بھی چارسدہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں خودکش حملوں کے خلاف فتویٰ دینے پر پشاور کے وزیر باغ میں نامعلوم افراد نے شہید کر دیا تھا۔ دونوں بزرگوں کی شہادت میں ایک عجیب مماثلت ہے، جو پاکستان میں علمائے کرام پر ہونے والے حملوں کی تسلسل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مولانا ادریس نے سیاست کو بھی دینی فریضہ سمجھا اور 2002ء میں متحدہ مجلس عمل (MMA) کے پلیٹ فارم سے خیبرپختونخوا اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی شوریٰ کے رکن بھی تھے اور مولانا فضل الرحمان کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس ایک سچے پاکستانی تھے، ان کا دل پاکستان کیلیے دھڑکتا تھا۔ وہ شہید شیخ الحدیث مولانا حسن جان کے داماد تھے۔ مولانا حسن جان کو بھی طالبان نے شہید کیا تھا۔ مولانا محمد ادریس پاکستان میں حالیہ دہشت گردی کے خلاف دوٹوک اور واضح موقف رکھتے تھے۔ آپ کے مطابق خوارج اور دہشت گردوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، وہ پاکستان کی حکومت اور مسلح افواج کی طرف سے دہشت گردوں کے خلاف کی جانے والی کوششوں کی مکمل حمایت کرتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس ممبر پر اعلانیہ خوارج اور ٹی ٹی پی کو للکارتے تھے۔ ان کے نزدیک پاکستان اور آئین پاکستان مقدم اور لازم وملزوم تھا۔

پاکستان افغان امن مذاکرات میں مولانا ادریس کا کردار

مولانا محمد ادریس کا سب سے اہم اور یادگار کردار 2022ء میں سامنے آیا جب وہ مفتی تقی عثمانی کی قیادت میں افغان طالبان سے مذاکرات کے لیے جانے والے علما کے وفد کا حصہ بنے۔ اس وفد نے کابل جا کر افغان طالبان کے اعلیٰ رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا ادریس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں متعدد افغان طالبان رہنماؤں کے استاد رہے تھے، اس لیے ان کا افغان طالبان میں گہرا اثر و رسوخ تھا۔ کچھ ہفتے قبل پشاور میں منعقدہ پاک افغان امن جرگے میں انہوں نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ ”سب سے پہلے ہم پاکستانی ہیں اور ہمیں اپنے گھر سے زیادہ پاکستان اور یہاں کا امن عزیز ہے۔“ کابل کے دورے کے بارے میں ان کا بیان تھا کہ ”وہاں ہمارے شاگرد موجود ہیں جو پاکستان سے پڑھے ہیں۔ دونوں ممالک کو امن قائم کرنے کے لیے کوششیں جاری رکھنی چاہییں کیونکہ افغانستان میں امن ہوگا تو پاکستان میں بھی امن ہوگا۔“ یہ الفاظ نہ صرف ان کی بصیرت بلکہ قومی مفادات کے ساتھ وفاداری کی عکاسی کرتے ہیں۔

مولانا ادریس کی خدمات

مولانا محمد ادریس کی خدمات کو اگر ایک طویل اور جامع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ صرف ایک عالم دین کی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت کی داستان ہے جس نے درس و تدریس، سیاست، امن کی کوششوں، سماجی اصلاح اور قومی اتحاد کے متعدد میدانوں میں اپنا کردار ادا کیا۔ مولانا صاحب کا سارا زندگی علم کی روشنی پھیلانے، نوجوان نسل کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینے، معاشرے میں اخلاقی اقدار کو فروغ دینے اور ملک کے اندرونی و بیرونی چیلنجز کا سامنا کرنے والوں کے لیے راہنمائی فراہم کرنے میں گزرا۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جیسے عظیم الشان ادارے میں ان کی تدریس نے نہ صرف پاکستانی طلبہ بلکہ ہزاروں افغان طلبہ کو متاثر کیا، جو بعد میں اپنے ملک کے مختلف شعبوں میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں افغان طالبان کے متعدد رہنما شامل ہیں، جو ان کے علمی مقام اور شخصیت کی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف حدیث کی تعلیم دی بلکہ طلبہ میں پاکستانیت، قومی وفاداری اور پڑوسی ممالک کے ساتھ پرامن تعلقات کی اہمیت کو بھی راسخ کیا۔

ان کی سیاسی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ 2002ء کے انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کی حکومت میں حصہ لے کر انہوں نے صوبائی اسمبلی میں مذہبی جماعتوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا۔ وہ سیاست کو لوگوں کی خدمت اور رہنمائی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ علما کا کردار مسجد اور منبر

تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ معاشرے کے ہر شعبے میں ان کی آواز بلند ہونی چاہیے۔ خواتین کی سیاست کے بارے میں ان کی رائے متوازن تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہر سیاسی جماعت کی اپنی پالیسی ہوتی ہے، جمعیت علمائے اسلام میں خواتین کی الگ شاخ ہے جو فعال کردار ادا کرتی ہے لیکن ان کی پالیسی کے مطابق خواتین کو جلسوں جلوسوں میں نہیں نکالا جاتا۔ یہ موقف ان کی روایتی مذہبی فکر اور عملی حکمت کا امتزاج تھا۔

مولانا ادریس امن کے داعی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان لڑائی کو ناپسند کیا اور کہا کہ ”بدقسمتی یہ ہے کہ امن کی بات کرنے والوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔“ پاکستان اور افغانستان کے درمیان امن ان کی ترجیح تھی۔ ان کے کابل دورے اور پشاور یونیورسٹی کے ایریا سٹڈیز سینٹر میں دیے گئے خطابات اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ علاقائی استحکام کے لیے مخلص تھے۔ ان کی تدریس کا دائرہ سعودی عرب، قطر، انڈونیشیا اور جاپان تک پھیلا ہوا تھا، جہاں ان کے شاگرد آج بھی ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی ترجمان عبدالجلیل جان، جو ان کے قریبی ساتھی تھے، کے مطابق مولانا ادریس انتخابی مہموں میں خود حصہ لیتے اور طلبہ کی رہنمائی کرتے۔

ان کی خدمات کو اگر مزید تفصیل سے دیکھا جائے تو انہوں نے دہشت گردی کے خلاف فکری جدوجہد میں بھی حصہ لیا۔ مولانا حسن جان کے داماد ہونے کی وجہ سے وہ خودکش حملوں کے خلاف فتاویٰ کی روایت کے امین تھے۔ ان کی تدریس میں طلبہ کو جدید چیلنجز جیسے انتہا پسندی، فرقہ واریت اور غیر ملکی مداخلت سے نمٹنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ سماجی سطح پر وہ غریب طلبہ کی تعلیم، مسجدوں کی تعمیر اور لوگوں کے مسائل حل کرنے میں پیش پیش رہتے۔ ان کی شخصیت میں سادگی، تقویٰ اور جرات کا امتزاج تھا، جو انہیں عوام کا محبوب بناتا تھا۔ مولانا ادریس کی شہادت نہ صرف ایک خاندان بلکہ پورے علمی حلقے اور قوم کے لیے نقصان ہے۔ ان کی خدمات کو یاد رکھتے ہوئے آنے والی نسلوں کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا محمد ادریس کی شہادت ایک بار پھر یہ پیغام دیتی ہے کہ پاکستان میں علمائے کرام کو درپیش خطرات اب بھی موجود ہیں۔ حکومتیں اور سیکورٹی اداروں کو ان کی حفاظت کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے چاہییں۔ مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں اور ان کی اولاد، شاگردوں اور عقیدت مندوں سے تعزیت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے اور ملک کو دہشت گردی سے نجات دلائے۔ آمین۔

مائیتھوس... ڈیجیٹل دنیا کا نیا ایٹم بم؟

کیا عام انسان بھی ڈیجیٹل خطرات کی لپیٹ میں آچکا ہے؟

اگر ٹیکنالوجی اخلاقی اصولوں اور خدا کے تصور سے جدا ہو جائے تو اس کا رخ ترقی کے بجائے تباہی کی طرف مڑ جاتا ہے

رپورٹ: ساجد خان

کیا عام انسان بھی ڈیجیٹل خطرات کی لپیٹ میں آچکا ہے؟ اگر ٹیکنالوجی اخلاقی اصولوں اور خدا کے تصور سے جدا ہو جائے تو اس کا رخ ترقی کے بجائے تباہی کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اکیسویں صدی کو اگر کسی ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ ''ٹیکنالوجی'' ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں مصنوعی ذہانت (Intelligence Artificial) نہ صرف انسانی سہولتوں میں اضافہ کر رہی ہے بلکہ سوچنے، فیصلے کرنے اور مسائل حل کرنے کے انداز کو بھی بدل رہی ہے۔ مگر ہر نئی ایجاد کی طرح اس کے ساتھ کچھ ایسے خطرات بھی جڑے ہوئے ہیں جن کا اندازہ ابتدا میں نہیں لگایا جا سکتا۔ حال ہی میں عالمی سطح پر ایک نیا نام سامنے آیا ہے: ''مائیتھوس'' (Preview Mythos Claude)۔ Anthropic نامی کمپنی کی یہ جدید ترین AI ماڈل بظاہر ایک طاقتور لینگویج ماڈل ہے، لیکن ماہرین کے نزدیک یہ محض ایک سافٹ ویئر نہیں بلکہ ایک ایسی طاقت بن سکتا ہے جو عالمی ڈیجیٹل نظام کو ہلا کر رکھ دے۔ یہ ایک ایسے دور کی علامت ہے جہاں انسان اپنی تخلیق کردہ قوتوں کے سامنے خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگا ہے۔

آج دنیا جس ڈیجیٹل ترقی پر فخر کر رہی ہے، وہی ترقی انسان کے لیے ایک نئے بحران کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ واشنگٹن میں ہونے والے عالمی مالیاتی اداروں کے اجلاسوں میں جب مائیتھوس جیسے ماڈلز پر سنجیدہ بحث ہوتی ہے، تو یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مسئلہ صرف ٹیکنالوجی کا نہیں بلکہ انسانی بقا کا ہے۔

اب ماہرین ایک اور بڑے خطرے ''مائیتھوس'' کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق یہ خطرہ آبنائے ہرمز سے بھی زیادہ پیچیدہ اور خطرناک ہے۔ وجہ بہت سادہ ہے، آبنائے ہرمز ایک ''نظر آنے والا'' خطرہ ہے، جبکہ مائیتھوس ایک ''غیر مرئی'' خطرہ ہے۔ آبنائے ہرمز کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے دنیا کے پاس سفارتی، سیاسی اور عسکری حکمتِ عملی موجود ہے، لیکن مائیتھوس جیسی ڈیجیٹل قوت کے خلاف نہ تو واضح قوانین ہیں اور نہ ہی مکمل دفاعی نظام۔ یہ کسی ایک جگہ محدود نہیں بلکہ پوری دنیا میں بیک وقت اثر انداز ہو سکتی ہے۔

مائیتھوس کی اصل قوت اس کی غیر معمولی ذہانت اور برق رفتار تجزیاتی صلاحیت میں پوشیدہ ہے۔ یہ ایسے پیچیدہ ڈیجیٹل نظاموں میں خامیاں تلاش کرنے کی قدرت رکھتا ہے جنہیں انسانی ماہرین برسوں کی محنت کے باوجود مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتے۔ یوں یہ ٹیکنالوجی بیک وقت ایک انقلابی سہولت بھی بن سکتی ہے اور ایک خاموش تباہی کا پیش خیمہ بھی۔ اگر اسے ذمہ دار اور محفوظ دائرے میں استعمال کیا جائے تو یہ سائبر سیکیورٹی کو مضبوط بنا سکتی ہے، نظاموں کی کمزوریوں کو بروقت بے نقاب کر کے انہیں بہتر بنا سکتی ہے، لیکن اگر یہی صلاحیت غلط ہاتھوں میں چلی جائے تو یہ پوری دنیا کے ڈیجیٹل ڈھانچے کو لمحوں میں مفلوج کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ بینکنگ نظام، مواصلاتی نیٹ ورک، بجلی کی ترسیل کے نظام، حتیٰ کہ دفاعی ادارے بھی اس کے ممکنہ نشانے پر آ سکتے ہیں۔

اس خطرے کو مزید گہرائی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جدید دنیا کا مالیاتی نظام بنیادی طور پر اعتماد پر قائم ہے۔ جب کوئی شخص اپنے پیسے بینک میں جمع کرواتا ہے یا آن لائن لین دین کرتا ہے تو درحقیقت وہ ایک غیر مرئی نظام پر بھروسا کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ تاثر عام ہو جائے کہ مصنوعی ذہانت کا ایک ماڈل کسی بھی سیکیورٹی نظام کو توڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو یہ اعتماد تیزی سے ختم ہو سکتا ہے۔ اور جب اعتماد ختم ہوتا ہے تو معیشت کی بنیادیں خود بخود ہلنے لگتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق مائیتھوس جیسے ماڈلز کئی سنگین خطرات کو جنم دے سکتے ہیں، جن میں عالمی مالیاتی نظام کا اچانک تعطل، اسٹاک مارکیٹس میں شدید اور غیر متوقع اتار چڑھاؤ، بین الاقوامی تجارت میں رکاوٹیں، اور ڈیجیٹل کرنسیوں کا عدم استحکام شامل ہیں۔ یہ تمام عوامل مل کر ایک ایسی معاشی افراتفری کو جنم دے سکتے ہیں جو روایتی جنگوں سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہو، کیونکہ یہاں دشمن نظر نہیں آتا اور حملہ کسی ایک مقام تک محدود نہیں رہتا بلکہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

یہ خطرہ صرف ریاستی سطح تک محدود نہیں بلکہ عام انسان کی زندگی کو بھی براہِ راست متاثر کر سکتا ہے۔ آج ایک عام شہری اپنی روزمرہ زندگی میں موبائل فون، آن لائن بینکنگ، اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر انحصار کرتا ہے۔ اگر یہ نظام غیر محفوظ ہو جائیں تو انسان کی ذاتی معلومات، مالی وسائل، حتیٰ کہ اس کی شناخت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہ صورتِ حال ایک ایسے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے جہاں اعتماد کا تصور ختم ہو جائے اور ہر فرد خود کو غیر محفوظ محسوس کرے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ جدیدیت کی قیمت ہے؟ جدیدیت نے بلاشبہ انسان کو بے شمار سہولتیں فراہم کی ہیں۔ سفر آسان ہوا، معلومات تک رسائی ممکن ہوئی، اور زندگی کے کئی پہلو بہتر ہوئے۔ لیکن اسی جدیدیت نے انسان کو فطرت سے دور کر دیا ہے۔ انسان اب مشینوں پر انحصار کرنے لگا ہے، اس کی سوچ بھی مصنوعی نظاموں کے تابع ہوتی جا رہی ہے۔ فطرت کے اصول سادگی، توازن اور تدریج پر مبنی ہیں، جبکہ جدیدیت تیزی، پیچیدگی اور بے قابو توسیع کو فروغ دیتی ہے۔

تحقیقی مطالعے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ٹیکنالوجی کے بے تحاشا استعمال نے نہ صرف ذہنی دباؤ میں اضافہ کیا ہے بلکہ انسانی تعلقات کو بھی کمزور کیا ہے۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق ڈیجیٹل اسکرینز کے بڑھتے ہوئے استعمال نے نیند کے مسائل، اضطراب اور ڈپریشن میں اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک تحقیق کے مطابق سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل انحصار نے انسان کی توجہ اور گہرائی میں سوچنے کی صلاحیت کو متاثر کیا ہے۔ یہ سب اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جدیدیت اگرچہ سہولت فراہم کر رہی ہے، لیکن وہ انسان کی فطری ساخت کے خلاف جا رہی ہے۔

مائیتھوس جیسے ماڈلز اس تضاد کو مزید واضح کر دیتے ہیں۔ ایک طرف یہ انسانی ذہانت کا شاہکار ہیں، اور دوسری طرف یہ انسان کے لیے خطرہ بھی بن سکتے ہیں۔ یہ صورتِ حال اس فلسفیانہ سوال کو جنم دیتی ہے کہ کیا انسان اپنی تخلیق پر قابو رکھ سکتا ہے؟ یا وہ خود اپنی ایجاد کا شکار بن جائے گا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی انسان نے طاقت حاصل کی ہے، اس کے غلط استعمال کا امکان بھی پیدا ہوا ہے۔ ایٹمی ہتھیار اس کی ایک واضح مثال ہیں، جنہوں نے دنیا کو طاقت تو دی لیکن ساتھ ہی تباہی کا خطرہ بھی پیدا کیا ہے۔

> اس صورتِ حال میں ضروری ہے کہ دنیا ایک متوازن راستہ اختیار کرے۔ سب سے پہلے تو مصنوعی ذہانت کے لیے عالمی سطح پر قوانین بنائے جائیں، جیسے جنگوں کے لیے جنیوا کنونشن موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کمپنیوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا۔ انہیں صرف منافع یا ترقی پر نہیں بلکہ انسانی تحفظ پر بھی توجہ دینی ہوگی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ تعلیم کے نظام میں بھی تبدیلی لائی جائے۔ لوگوں کو صرف ٹیکنالوجی استعمال کرنا نہیں بلکہ اس کے خطرات کو سمجھنا بھی سکھایا جائے۔ اس کے علاوہ سائبر سیکیورٹی کو قومی سلامتی کا حصہ بنایا جائے، تاکہ ممالک اپنے ڈیجیٹل نظام کو محفوظ بنا سکیں۔

> مائیتھوس جیسے ماڈلز اس تضاد کو مزید واضح کر دیتے ہیں۔ ایک طرف یہ انسانی ذہانت کا شاہکار ہیں، اور دوسری طرف یہ انسان کے لیے خطرہ بھی بن سکتے ہیں۔ یہ صورتِ حال اس فلسفیانہ سوال کو جنم دیتی ہے کہ کیا انسان اپنی تخلیق پر قابو رکھ سکتا ہے؟ یا وہ خود اپنی ایجاد کا شکار بن جائے گا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی انسان نے طاقت حاصل کی ہے، اس کے غلط استعمال کا امکان بھی پیدا ہوا ہے۔ ایٹمی ہتھیار اس کی ایک واضح مثال ہیں، جنہوں نے دنیا کو طاقت تو دی لیکن ساتھ ہی تباہی کا خطرہ بھی پیدا کیا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو جدیدیت نے انسان کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ ہر مسئلے کا حل ٹیکنالوجی میں موجود ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کچھ مسائل انسانی فطرت، اخلاقیات اور توازن سے جڑے ہوتے ہیں۔ جب انسان صرف مادی ترقی پر توجہ دیتا ہے اور اخلاقی حدود کو نظر انداز کرتا ہے، تو وہ ایک ایسے راستے پر چل پڑتا ہے جو آخر کار تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہاں ''سیاہ ہاتھی'' کا تصور بھی اہم ہے، جس سے مراد ایک ایسا واضح خطرہ ہے جسے سب دیکھ رہے ہیں لیکن اس پر سنجیدگی سے بات نہیں کر رہے۔ مائیتھوس بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ دنیا کے بڑے ادارے اس کے خطرات سے آگاہ ہیں، لیکن ابھی تک کوئی واضح عالمی حکمتِ عملی سامنے نہیں آئی۔ اس خاموشی کی ایک وجہ شاید یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی دوڑ میں کوئی بھی ملک پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔

اس صورتِ حال میں ضروری ہے کہ دنیا ایک متوازن راستہ اختیار کرے۔ سب سے پہلے تو مصنوعی ذہانت کے لیے عالمی سطح پر قوانین بنائے جائیں، جیسے جنگوں کے لیے جنیوا کنونشن موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کمپنیوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا۔ انہیں صرف منافع یا ترقی پر نہیں بلکہ انسانی تحفظ پر بھی توجہ دینی ہوگی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ تعلیم کے نظام میں بھی تبدیلی لائی جائے۔ لوگوں کو صرف ٹیکنالوجی استعمال کرنا نہیں بلکہ اس کے خطرات کو سمجھنا بھی سکھایا جائے۔ اس کے علاوہ سائبر سیکیورٹی کو قومی سلامتی کا حصہ بنایا جائے، تاکہ ممالک اپنے ڈیجیٹل نظام کو محفوظ بنا سکیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان فطرت کے ساتھ اپنا رشتہ دوبارہ مضبوط کرے۔ جدیدیت کو مکمل طور پر رد کرنا نہ ممکن ہے اور نہ ہی دانشمندی، لیکن اس کے استعمال میں توازن ناگزیر ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی مکمل طور پر مشینوں کے حوالے کر دے گا تو وہ اپنی فطری صلاحیتوں، تخلیقی قوت اور داخلی سکون سے محروم ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے شعور اور اخلاقی رہنمائی سے خالی زندگی وقتی آسانیاں تو فراہم کر سکتی ہے، مگر انسان کی حقیقی تعمیر اور پائیدار فلاح کی بنیاد نہیں بن سکتی، بلکہ بالآخر اسے انتشار اور بے معنویت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ٹیکنالوجی کو محض ایک ذریعہ سمجھیں، نہ کہ زندگی کا مقصد۔ جب تک انسان اپنی روحانی بنیاد کو مضبوط نہیں کرے گا، جدیدیت کی چمک دمک اسے اندر سے کھوکھلا کرتی رہے گی۔

آخر میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مائیتھوس صرف ایک ٹیکنالوجی نہیں بلکہ ایک انتباہ ہے۔ یہ ہمیں بتا رہا ہے کہ ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جہاں ترقی اور تباہی کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے۔ اگر ہم نے دانش مندی، احتیاط اور اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کیا تو یہ ترقی ہمیں ایک ایسے مقام پر لے جا سکتی ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوگی۔ مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم آج کون سے فیصلے کرتے ہیں۔ کیا ہم اندھی ترقی کا راستہ اختیار کرتے ہیں یا ایک متوازن اور محفوظ دنیا کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔